قرآنی نظامِ ربوبیّت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ —— لاہور

قیمت فی پرچہ ۴ چار روپے	ٹیلیفون :- ۸۸۰۸۰۰ خط وکتابت ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور	بدل اشتراک سالانہ پاکستان / ۴۸ روپے غیر ممالک / ۱۱۰ روپے
شمارہ ۸-۵	اگست ۱۹۸۶ء	جلد ۳۹

فہرست

۱۔ لمعات —————— ۲

۲۔ لفظ اُمّی کی تحقیق —————— ۱۰

۳۔ محترم پرویزؒ صاحب کا ہفتہ واری درسِ قرآن کریم (بذریعہ وی سی آر) —————— ۱۵

۴۔ بیرونی ممالک کے لئے طلوعِ اسلام کے ڈاک خرچ میں اضافہ —————— ۱۷

۵۔ اسلام کے مقابل اسلام۔ (محترم پرویز علیہ الرحمۃ) —————— ۱۸

۶۔ حقائق و عبر :- (۱) شریعت بل اور جمعیت علماء اسلام (۲) شریعت بل محض ایک سیاسی چال ہے۔ (۳) جمعیت اہلحدیث اور جمعیت علماء اسلام (۴) اسلامی حکومت کا تصوّر (۵) جنّت کی نعمتیں (۶) خدائی ٹیلیویژن (۷) بھوپال کے مفتی اعظم کا فتویٰ (۸) افغان مجاہدین کی امریکی امدادی تنظیم (۹) دارالکفر میں تبلیغ —————— ۲۱

۷۔ پاکستان کی معاشی مشکلات اور ان کا قرآنی حل (مس تسنیم کوثر) —————— ۴۹

۸۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (ثریا عندلیب صاحبہ) —————— ۶۰

۹۔ نقد و نظر —————— ۶۳

ایڈیٹر محمد خلیل : ناشر شیخ عبدالمجید، مقام اشاعت ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور مطبوعہ اشرف پرنٹنگ پریس ۹۔ ایبک روڈ لاہور

لمعات

ہمارے معاشرے میں رشوت کا ناسور کس حد تک جڑیں پکڑ چکا ہے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود صدرِ پاکستان نے، متعدد مواقع پر اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ملکِ عزیز میں رشوت کی وبا دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکومت اس برائی کے خاتمے کو اولین اہمیت دے رہی ہے۔ اس مقصد کے لئے وزیراعظم پاکستان نے تین چار ماہ پہلے، ایک اعلیٰ اختیارات کی کمیٹی تشکیل دی تھی۔ جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ ہمارے معاشرے میں رشوت کی وجوہات کا تعین کرے تاکہ وفاقی کابینہ مناسب کارروائی کے لئے اس پر غور کر سکے۔

اس کمیٹی کی کوئی مفصل رپورٹ تو سامنے نہیں آئی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سفارش پر ضلعی سطح پر انسدادِ رشوت ستانی کی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ ان کمیٹیوں کو بھی قائم ہوئے تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن ابھی تک ان میں سے کسی کمیٹی کی طرف سے کوئی ایسی کارروائی سامنے نہیں آئی۔ جس سے اندازہ ہوتا کہ واقعی یہ کمیٹیاں اس برائی کو ہمارے معاشرے سے ختم کرنے میں مثبت کردار انجام دے سکیں گی۔

اس صورتِ حالات کی اصل وجہ یہ ہے کہ ابھی تک ان کمیٹیوں کا نئے سرے سے کوئی دائرۂ کار متعین نہیں کیا گیا، اور وہ انہی خطوط پر کام کر رہی ہیں، جن پر پہلی کمیٹیاں کام کرتی رہی ہیں۔ ان کمیٹیوں نے زیادہ تر سرکاری دفاتر میں، رشوت کے کاروبار کی نشاندہی کی۔ جس کی روشنی میں انسدادِ رشوت کے قوانین بنائے گئے۔ لیکن ان قوانین سے جیسا کہ طلوعِ اسلام کے قارئین جانتے ہیں، مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ کبھی کبھی ان قوانین کے حوالے سے نچلے درجے کے چند ملازمین کے خلاف کارروائی کی خبریں، اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ لیکن اس بلائی نے جس طرح اکاس بیل کی طرح، ہمارے معاشرے کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے، اس کے اصل اسباب کی طرف ابھی تک دھیان نہیں دیا جارہا۔

اسلام سے پہلے بھی انسانی معاشرے میں اس لعنت کا وجود تھا، اور اس کے خاتمے کے لئے اسلام نے جو طریقے استعمال کئے وہ اتنے مؤثر تھے، کہ آج بھی جو ممالک، اپنے معاشرے سے رشوت ستانی ختم کرنا چاہتے ہیں، وہ ان اسلامی طریقوں کو اپنانے پر مجبور ہیں۔ ہم بھی اپنے

ملک میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ اس بارے میں ہم بھی اسلامی تعلیمات کو اپنا کر، اس برائی کو ہمیشہ کے لئے اپنے معاشرے سے ختم کر دیں۔

آزادی کے وقت ہمارا معاشرہ اگرچہ رشوت کی برائی سے پاک نہیں تھا، لیکن اس کے اثرات محدود تھے۔ اور عام طور پر ایک عام آدمی اس کے اثراتِ بد سے کسی حد تک محفوظ تھا۔ لیکن آزادی کے بعد ہمارے ملک میں، غیر مسلم تارکینِ وطن، جو جائیداد چھوڑ گئے، اس نے اس برائی کو ہمارے معاشرے میں پھیلانے کے لئے نازیبا نہ کا کام دیا۔ اچھے بھلے لوگ، جو اپنی دیانتداری کے لئے مشہور تھے، غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں میں، اپنا حصّہ حاصل کرنے کے لئے، ہر قسم کے ناجائز حربے استعمال کرنے لگے۔ جس کی وجہ سے ہمارا سارا معاشرہ، اس برائی میں بُری طرح ملوث ہو گیا۔ یہ عرصہ کوئی زیادہ لمبا نہیں تھا، لیکن اس کی وجہ سے، ہمارے لوگوں کو حرام کی آمدنی کی ایسی چاٹ لگی کہ انہیں حلال کی آمدنی پھیکی لگنے لگی۔

کسی فیصلہ دینے والے (حاکم، افسر، مُنصف یا اہلکار) کو روپیہ یا معاشی مفاد دے کر غلط اور ناجائز فیصلہ اپنے حق میں کرا لینا رشوت کہلاتا ہے۔ کسی کا حق غصب کر لینے یا قانون شکنی کے مواخذہ سے بچنے کے لئے ہر قسم کا اقدام، قرآن کی رُو سے سنگین جرم ہے۔ رشوت اسکی ایک شق کا نام ہے۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے:-

وَلَا تَاكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۲/۱۸۸)

"آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ اور نہ ہی اسے بطور رشوت حکام تک اس مقصد کے لئے پہنچاؤ کہ کسی دوسرے کے مال میں سے تمہیں وہ مل جائے جس کے متعلق تم جانتے ہو کہ تم اس کے حقدار نہیں ہو"۔

رشوت کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ایک طبقہ، جو بالعموم کم تنخواہ دار ہے، اسے ایک ضرورت اور مجبوری سمجھتا ہے جب کہ دوسرا طبقہ معاشرہ میں اپنے معیار کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے ایسا کرتا اور پھر اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں سوسائٹی کے مفاد پرست طبقے اپنے ناجائز مفاد کے حصول کے لئے سرکاری ملازمین یا متعلقہ اہلکاروں کو خود رشوت پہ آمادہ کرتے اور انہیں اپنے جرم میں حصّہ دار بناتے ہیں۔ اصلاحِ احوال کے لئے سزا و تعزیہ کے ساتھ ساتھ مذہبی اقدار کے مطابق انفرادی تعمیرِ سیرت اور ایسے معاشرتی ماحول کا قیام و وجود ضروری ہے جو حرام کی کمائی بشمولِ رشوت کی حوصلہ شکنی کرے نہ کہ اس کے پنپنے کے لئے ممدّ و معاون ثابت ہو۔ تعمیرِ سیرت کے حوالہ سے دیکھا جائے تو رشوت جیسے امور کے متعلق افراد معاشرہ کا نقطۂ نظر خاصا

تبدیل ہو چکا ہے۔ کسی کا مال ناجائز طور پر کھانا یا رشوت کے ذریعے اس ناجائز مال کا حصول اسی طرح حرام ہے جیسے سوٗر کا گوشت کھانا لیکن پاکستانی معاشرے میں سور کے گوشت کی حرمت کا تو خیال رکھا جاتا ہے اور سختی سے ایسا کرنے کی مزاحمت بھی لیکن "باطل کی کمائی" کو حرام سمجھنے کا تصور دھندلا تا جا رہا ہے۔ قرآن کریم نے بنی اسرائیل (یہودیوں) کی تباہی کا ایک بنیادی سبب یہ بھی بتایا ہے کہ:

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔ "وہ لوگوں کا مال ناجائز طریق سے کھا جاتے تھے۔"
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (۴/۱۶۱)

"ان میں سے جو اس جرم کے مرتکب ہوتے تھے، وہ کافر تھے اور ان کے لئے سخت عذاب کی وعید کی گئی تھی"۔......... اس سے ظاہر ہے کہ ناجائز کمائی کرنا، کفر کے مرادف ہے اور عذاب جہنم کا موجب۔ باطل (ناجائز) کمائی کے بہت سے گوشے ہیں مثلاً خیانت، چوری، دھاندلی، دغا، فریب، گراں فروشی، چور بازاری اور رشوت۔ اس لئے رشوت کے متعلق اس احساس کو معاشرہ میں اجاگر رہنا چاہیئے کہ یہ باطل کی کمائی کے طور پر اسی طرح حرام ہے جیسے دیگر محرمات مثل سوٗر کا گوشت اور یہ کہ ناجائز کمائی کرنا کفر کے مرادف اور عذاب جہنم کا موجب ہے۔

جائز اور ناجائز کمائی کے سلسلہ میں قرآن کریم میں طیب اور خبیث کی اصطلاحات بھی آئی ہیں۔ اللہ تعالٰے نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد جلیلہ یہ بتایا ہے کہ:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۷/۱۵۷)

"وہ لوگوں کے لئے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام قرار دے گا"۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق، جائز کمائی طیب یعنی حلال ہے اور ناجائز کمائی خبیث یعنی حرام۔ یہی لفظ (حرام) لحم خنزیر۔ (سوٗر کے گوشت) کے متعلق آیا ہے۔ (۵/۳)

لہٰذا ایک مسلمان کے لئے سوٗر اور ناجائز کمائی میں ذرا بھی فرق نہیں۔ دونوں یکساں حرام ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث (۵/۱۰۰) "چونکہ ناجائز طریق سے انسان چند دنوں میں لاکھوں پتی ہو جاتا ہے، اس لئے ہر شخص لپک کر اس کی طرف جاتا ہے لیکن (مسلمانو!) تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ (جائز) اور ناجائز کمائی کبھی ایک جیسی نہیں ہو سکتی"، اسی طرح جیسے حلال اور حرام ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ آج کون نہیں جانتا کہ رشوت حرام ہے لیکن اس کے باوجود جانتے بوجھتے اس کا چلن عام ہو رہا ہے۔ حیرت ہے کہ سوٗر کو حرام سمجھ کر اس سے مجتنب رہنے والے، رشوت کا مال کس طرح بلا غل وغش ہڑپ کر تے رہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے حرام کی کمائی کے دوسرے ذریعوں کو درست قرار دے رکھا ہے جب اس طرف سے لوگ لوٹ مچاتے ہیں تو صاحب اختیار افراد بھی حرام کی کمائی میں سے اپنا حصہ

وصول کرنے کا حوصلہ پاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال کاروبار کا میدان ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس سے حرام کی کمائی سیلاب کی طرح امڈ کر آتی ہے "کاروبار" میں تجارت، یعنی لین دین خرید و فروخت بھی شامل ہے اور ملیں اور فیکٹریاں بھی، جن میں محنت کشوں اور کارخانہ داروں کا باہمی تعلق ہوتا ہے۔ اس میدان میں ناجائز کمائی کے بے تحاشا امکانات کے پیشِ نظر قرآنِ مجید نے مختلف انداز سے احکامات دیئے ہیں۔ سب سے پہلے عام تجارت کو لیجئے فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (4/29)

اے جماعتِ مومنین! تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ۔ معاشرتی زندگی میں روزمرہ کی اشیاءِ ضروریہ کی خرید و فروخت ناگزیر ہوتی ہے۔ اس کے لئے جائز طریق یہ ہے کہ خریدار، دوکاندار کی منہ مانگی قیمت دینے پر مجبور نہ ہو، بلکہ یہ، گاہک اور دُکاندار کی باہمی رضامندی سے ہو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ دوسروں کو قتل کر دینے کے مترادف ہوگا۔ خدا تمہیں از راہِ ترحم قتل و غارت گری سے بچانا چاہتا ہے۔

اس آیۂ جلیلہ میں خرید و فروخت کا ایک ایسا عظیم اصول بیان کیا گیا ہے جس سے سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور وہ ہے "باہمی رضامندی سے تجارت" اس سلسلہ میں جو کچھ آج کل ہو رہا ہے اس پر ایک نگاہ ڈالیئے۔ دُکاندار (خواہ وہ تھوک فروش ہوں یا خوردہ فروش) ایک تنظیم قائم کر لیتے ہیں جس کی رُو سے وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ فلاں چیز اتنے داموں میں بیچی جائے گی۔ صاحبِ ضرورت، بازار (یا منڈی) میں پہنچتا ہے۔ دوکاندار اسے مطلوبہ چیز کی قیمت بتاتا ہے۔ خریدار دیکھتا ہے کہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ وہ کچھ کم کرنے کو کہتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ "میں تو اتنے ہی میں دوں گا۔ آپ کو کہیں اور سے سستی ملتی ہے تو وہاں سے لے لیجئے"۔ خریدار مختلف دوکانوں سے دریافت کرتا ہے تو اُسے وہی قیمت بتائی جاتی ہے۔ فرمایئے کہ وہ، اس کے بعد کیا کرے؟ اسے اس چیز کی ضرورت ہے اس لئے وہ اسے انہی داموں خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دُکانداروں سے پوچھئے تو وہ نہایت دھڑلے سے کہتے ہیں کہ صاحب! ہم کسی کی جیب نہیں کاٹتے۔ چوری نہیں کرتے۔ ڈاکہ نہیں ڈالتے۔ گاہک کو قیمت بتاتے ہیں اور اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے یا نہ خریدے۔ یہ قرآنِ مجید کے ارشاد کے عین مطابق ہے جس کی رُو سے اس نے تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ کو حلال قرار دیا ہے۔

اس جواب میں اس کے سوا کیا کہا جائے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا..... (2/26) "اسی قرآن سے اکثر لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور اسی سے اکثر صحیح راستہ اختیار کرتے ہیں"۔ جس قسم کی تجارت کا ذکر اوپر کیا گیا ہے (اور جسے آجکل

قطعاً ناجائز یا معیوب نہیں سمجھا جاتا) اسے قرآن کے حکم کے مطابق قرار دینا، ضلالت (خود فریبی) نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر یہ دوکاندار (مثلاً) سبزی فروش ہے تو اس سے پوچھئے کہ جب تم قصاب سے گوشت خریدتے ہو اور وہ ایسا نرخ بتاتا ہے کہ جسے تم نامناسب سمجھتے ہو، لیکن اس کے باوجود تم اس نرخ پر گوشت خریدنے پر مجبور ہوتے ہو، تو کیا تم اسے "باہمی رضامندی سے تجارت" قرار دیتے ہو! قصاب کی روش کو تو ظلم و زیادتی سمجھتے ہو اور اس کے خلاف واویلا مچاتے ہو لیکن اپنی اسی قسم کی روش کو بالکل جائز قرار دیتے ہو!

قرآن کریم نے اس قسم کی تجارت کو کاروبار نہیں بلکہ قتل و غارت گری قرار دیا ہے۔ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ..... ط) اور جیسا کہ معلوم ہے قتل، عدالتِ خداوندی میں سنگین ترین جرم ہے۔ اسی لئے اگلی آیت میں ہے:۔

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (٤/٣٠)

خدا نے بات واضح طور پر سمجھا دی ہے۔ اگر تم اس کے بعد بھی ایسا ہی کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دیدہ دانستہ احکامِ خداوندی سے سرکشی برتتے اور ظلم اور زیادتی کرتے ہو۔ اس کی سزا جہنم ہے۔ عدالتِ خداوندی سے اس قسم کی سزا کا ملنا کچھ بھی مشکل نہیں۔

چونکہ اس قسم کی تجارت میں، اشیائے ضروریہ کے تیار کرنے یا پیدا کرنے والے، تھوک فروش اور خوردہ فروش سب شامل ہوتے ہیں، اس لئے تجارتِ عادلہ ایک خاص نظام کے تحت ہی عمل میں آسکتی ہے۔ یعنی ایسا انتظام جس کی رُو سے، ہر شے کا ہر اسٹیج پر منافع مقرر ہو اور اس کے بعد اس کا انتظام ہو کہ ہر ضرورت مند کو مقررہ قیمت پر مطلوبہ چیز مل جائے۔ اسے کہا جائے گا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ یہی منافع حلال ہوگا۔

صحیح یہ ہے کہ رشوت جیسے ناسوروں کا مکمل علاج تو قرآنی خطوط پر معاشرہ کی تشکیل نو سے ہوگا، تاہم ایسے معاشرہ کی طرف پیش رفت کے لئے ہمیں چاہیئے کہ ان اشیاء پر پابندی لگا دیں جو بالعموم رشوت کا سبب بنتی ہیں۔ معاشرہ میں عیاشی کی چیزوں کی فراوانی سے رشوت کی برائی جنم لیتی ہے، شاندار عمارات، قیمتی کاروں اور سونے کے زیورات پہننے کا جنون اس برائی کی جڑیں معاشرہ میں مضبوط کرتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ سونے کے زیورات پر پابندی لگا دی جائے۔

اس وقت اس قیمتی دھات کے نرخ، اسقدر زیادہ ہیں کہ ایک عام آدمی کے لئے حلال کی کمائی سے اپنے اہلِ خانہ کو سونے کے زیورات مہیا کرنا، تقریباً ناممکن ہے، صرف امیر خاندانوں کی عورتیں ہی اس عیاشی کی متحمل ہوسکتی ہیں، لیکن یہ امیر عورتیں، اپنے زیورات کی اس طرح نمائش کرتی ہیں کہ جس سے غریب خاندانوں کی عورتوں کے دل دُکھی ہوجاتے ہیں اور وہ بھی اپنے

اہل خانہ کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ ان کے لئے ایسے زیورات کا بندوبست کریں۔ ظاہر ہے کہ حلال کی آمدنی سے، ان کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے اس مقصد کے لئے وہ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے معاشرے میں، رشوت اور بددیانتی کو عروج حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے تو عام طور پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ سونے کے نرخوں میں اضافے کے ساتھ ہی رشوت کا ریٹ بڑھ جاتا ہے۔

سونے کے زیورات کے یہ بُرے نتائج، ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے بھی مخفی نہ تھے۔ چنانچہ آپؐ نے بھی پہلے مسلمان مردوں اور پھر مسلمان عورتوں کے لئے ان کا استعمال حرام قرار دے دیا۔ اور فرمایا کہ مسلمان عورتیں سونے کے زیورات پہننے ترک کر دیں اور انکی بجائے صرف چاندی کے زیورات استعمال کریں۔ کیونکہ سستے ہونے کی وجہ سے یہ معاشرے کی تمام عورتوں کو آسانی سے میسر ہو سکتے ہیں۔ آپؐ نے اس بارے بڑی سخت ہدایات جاری فرمائیں۔ اس موضوع پر کوئی ایک درجن احادیث موجود ہیں، جن میں آپ نے فرمایا کہ جو عورت بھی سونے کے زیورات، کا استعمال ترک نہیں کرے گی، قیامت کے دن، اسے انہی زیورات کے ذریعے عذاب دیا جائے گا۔ اور جو مرد، اس ارشاد نبویؐ کی مخالفت کرتے ہوئے، اپنی عورتوں کو سونے کے زیورات مہیا کرے گا، اسے بھی انہی زیورات سے، قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔

(بحوالہ سنن ابو داؤد جلد دوم صـ ۱۴۱ مصری ایڈیشن ۱۹۵۲ء)

چنانچہ آپ کے ان ارشادات کے نتیجے میں، عرب معاشرے سے، سونے کے زیورات اس طرح ختم ہو گئے کہ آج بھی دولت کی ریل پیل کے باوجود، عرب معاشرے میں سونے کے زیورات کا وجود نہیں پایا جاتا۔

شاندار کوٹھیاں بھی، حلال کی آمدنی سے تعمیر کرنی ممکن نہیں۔ اس مقصد کے لئے عام طور پر سمگلنگ، چوربازاری، دھوکہ بازی کے ذریعے روپیہ حاصل کیا جاتا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کو جو عملی تعلیم دی تھی، آج کل کے پیمانے سے اسے انقلابی ہی کہا جائے گا۔ آپؐ سربراہ مملکت ہونے کے باوجود ساری عمر ایک چھوٹے سے مکان میں رہائش پذیر رہے اور صحابہ کرامؓ سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ بھی اسی سادگی سے زندگی بسر کریں۔ ایک دفعہ جب ایک صحابی نے، اس بارے میں آپؐ کے ارشاد سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے، اپنے مکان پر دوسری منزل تعمیر کر لی، جس سے اسے دوسرے صحابہؓ کرام پر امتیاز حاصل ہو گیا، تو آپؐ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا یہاں تک کہ آپؐ نے اس صحابی کا سماجی مقاطعہ کر دیا۔ اس صحابی نے شرمندہ ہو کر اپنی وہ زائد تعمیر گرا دی اور معافی کا طلبگار ہوا۔ اس پر آپؐ نے تمام مسلمانوں کو خطاب

کرتے ہوئے فرمایا کہ خبردار کوئی مسلمان بھی، اپنی ضرورت سے زیادہ ایک انچ ــــ بھی تعمیر نہ کرے۔ (سنن ابوداؤد جلد چہارم ص ۴۸۷)

رسول اللہ صلعم کی یہ عملی تعلیم، مسلم معاشرے میں تعمیر ہونے والی محل نما عمارتوں کی اجازت نہیں دیتی۔ اور قارئینِ طلوعِ اسلام جانتے ہیں کہ ان محل نما کوٹھیوں کی تعمیر کے لئے روپیہ کن کن ناجائز طریقوں سے اکٹھا کیا جاتا ہے۔

ہمارے معاشرے سے بھی رشوت اور بددیانتی کو ختم کرنے کے لئے عمارتوں کی تعمیر کیلئے رقبے کی ــــ حد مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ رشوت کے خاتمے کے علاوہ اس کا دوسرا مثبت نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں جن لاکھوں لوگوں کو سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں مل رہی، ان کے لئے بھی سہولت پیدا ہو جائے گی اور وہ اپنے لئے چھوٹے رقبے کے مکان تعمیر کر سکیں گے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہمارے ہاں مکان تعمیر کرنے کی حد ایک کنال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے۔

ہمارے ملک میں غیر ملکی کاروں کی اتنی بہتات ہو چکی ہے کہ بڑے شہر تو کجا، ملک کے کسی چھوٹے سے شہر میں بھی سڑک پار کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ قیمتی کاروں کی درآمد پہ پابندی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور اگر ہم اس بارے میں اسلامی تعلیمات کو صدقِ دل سے اپنائیں تو پھر ملک میں دوڑنے والی لاکھوں قیمتی کاروں کی شرعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

دورِ رسالت میں گھوڑا امراء کی سواری سمجھا جاتا تھا اور امیر لوگ اس کی سواری پر فخر کیا کرتے تھے۔ غریب لوگ اپنی سواری کے لئے عام طور پر اونٹ یا گدھے کا انتخاب کرتے تھے۔ گدھے کی سواری، جو ہر آدمی کو میسّر آسکتی تھی، امراء لوگ، اسے نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپؐ نے امراء کی اس ذہنیت کو ختم کرنے کے لئے گدھے کو اپنی سواری کے لئے استعمال فرمایا۔ آپؐ کی اس عملی مثال سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ معاشرے میں ذرائع مواصلات ایسے ہوں، جو سب لوگوں کو میسّر ہوں۔ آپؐ کے اس عمل سے سائیکلوں اور بسوں کی گنجائش تو نکلتی ہے لیکن قیمتی کاروں کی نہیں۔ اس لئے ان کی درآمد پر فوری پابندی کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ رشوت ختم کرنے میں مدد ملے گی بلکہ زرِمبادلہ میں کثیر بچت کی وجہ سے مہنگائی کے خاتمے میں بھی مدد ملے گی۔

امید ہے کہ وزیراعظم کی ہدایات پر مختلف سطحوں پر انسدادِ رشوت ستانی کی جو کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں وہ ان موضوعات پر غور کر کے، ملکِ عزیز سے رشوت ختم کرنے کے سلسلے میں مثبت کردار ادا کریں گی۔

خدا پر ایمان

دنیا کے قریب قریب ہر مذہب میں ملتا ہے لیکن اس کے
باوجود قرآن ان کے اس ایمان کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ اسلئے
کہ
ان کے ہاں خدا کا صحیح تصوّر نہیں

خدا کا صحیح تصوّر

خود خدا ہی کے ہاں سے مل سکتا ہے یعنی قرآن مجید سے۔ خدا کا یہی وہ
تصوّر ہے جسے پرویز صاحبؒ نے اپنی معرکہ آرا کتاب

من و یزداں

میں نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے نیز یہ بھی بتایا ہے کہ ہم خدا پر کیوں ایمان لاتے ہیں
اور انسان اور خدا کا تعلق کیا ہے۔ بڑی پر از حقائق کتاب ہے

بڑا سائز۔ ضخامت ۴۰۶ صفحات۔ کاغذ اعلیٰ۔ جلد مضبوط مزیّن اور مطلّا
قیمت فی جلد -/۷۵ روپے علاوہ محصول ڈاک

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ نمبر ۲ لاہور

مکتبہ دین و دانش۔ چوک اُردو بازار۔ لاہور

لفظ اُمّی کی تحقیق

ان دنوں ہمارے قومی اخبارات میں لفظ امّی پر ایک طویل بحث چل رہی ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ لفظ رسول اللہ صلعم کی ذاتِ مبارک کے لئے بولا جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایسا استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس لفظ کے اصل معانی کی طرف کبھی دھیان نہیں دیا گیا اور عام طور پر یہ لفظ ان پڑھ، کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ خواتین کی ایک انجمن کی ایک رکن نے اپنی تقریر میں اس لفظ کو انہی معنوں میں استعمال کیا، تو اس کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا اور بجا طور پر یہ فرمایا گیا کہ حضور صلعم کو نعوذ باللہ ان پڑھ کہنا، ان کی شان میں گستاخی ہے۔ مقررہ کی تقریر کی جو رپورٹنگ مختلف اخبارات میں ہوئی، اس میں اختلاف تھا۔ اسلام آباد سے شائع ہونے والے انگریزی اخبار مسلم نے تو اپنی ۱۹ مئی ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں اصل لفظ امّی ہی نقل کیا۔ جب کہ اردو اخبارات نے اس کا ترجمہ دیا۔

جماعتِ اسلامی کے اراکینِ اسمبلی نے اس خاتون مقررہ کے خلاف قومی اسمبلی میں یہ تحریک پیش کی کہ اس نے رسول اللہ صلعم کے لئے یہ الفاظ استعمال کرکے، ان کی شان میں گستاخی کی ہے، اس لئے اسے سخت سزا دی جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس مقررہ کے خلاف تحریک شروع کر دی گئی جو روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۴ جون ۱۹۸۶ء)

جس مجلس میں یہ تقریر کی گئی تھی۔ اس کی صدارت وفاقی شرعی عدالت کے سابق چیف جسٹس جناب آفتاب حسین صاحب کر رہے تھے، انہوں نے ایک بیان میں یہ وضاحت کی کہ متعلقہ مقررہ نے، حضورؐ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی تھی، بلکہ اس نے تو آپؐ کا نام بھی بڑے احترام سے لیا (ایضاً)

تاہم وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس کی اس وضاحت سے تحریک چلانے والوں کی تسلی نہ ہوئی اور انہوں نے اعلان کیا کہ وہ مقررہ کے خلاف، عدالت میں مقدمہ دائر کریں گے۔ اسی

اثناء میں مقررہ کی صفائی میں جو بیانات شائع ہوئے۔ ان میں یہ بتایا گیا کہ خود جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن سمیت اپنی متعدد کتابوں میں رسول اللہ صلعم کے لئے اُمّی اور ان پڑھ کے لفظ استعمال کئے ہیں (ایضاً)

تو یہ تحریک کچھ ٹھنڈی پڑ گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود جماعت اسلامی والوں نے اپنے امیر کی لکھی ہوئی کتابوں کا تفصیل سے مطالعہ نہیں کیا۔

اب چونکہ تحریک کی جانب سے اعلان کیا جا چکا تھا، کہ مقررہ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ تو لوگوں کی جانب سے یہ اصرار ہونے لگا۔ کہ یہ قانونی چارہ جوئی کب کی جائے گی۔ تحریک چلانے والوں کی جانب سے وضاحت کی گئی، کہ تعزیرات پاکستان میں اس جرم کی سزا، بڑی معمولی ہے، پہلے قومی اسمبلی میں اس کی سخت سزا کا بل پاس کرائیں گے۔ اور بعد میں قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ قومی اسمبلی نے ۹ جولائی ۱۹۸۶ء کو یہ قانون منظور کر لیا ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلعم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو "موت یا عمر قید کی سزا دی جا سکے گی۔

معلوم نہیں کہ اب تحریک چلانے والوں کی جانب سے متعلقہ خاتون مقررہ کے خلاف کب قانونی چارہ جوئی کی جائے گی، تاہم اس بحث سے بہت سے لوگوں کے ذہن پریشان ہو گئے ہیں۔ طلوع اسلام کے قارئین نے اصرار کیا ہے کہ لوگوں کی اس ذہنی پریشانی کو ختم کرنے کے لئے اس لفظ 'امّی' کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق سامنے لائی جائے۔ مذکورہ مقررہ کے خلاف جو تحریک چلائی گئی اس میں تو صرف یہ حوالہ دیا گیا تھا کہ مودودی صاحب نے بھی لفظ اُمّی کے معنی ان پڑھ کے کئے ہیں۔ لیکن اگر ان کی نگارشات کو سامنے رکھا جائے تو وہ اس سے بھی کئی درجے آگے نکل گئے ہیں، اس سلسلے میں ان کی تحقیق کی تفصیلات، آئندہ سطور میں پیش کی جائے گی۔ لیکن پہلے امّی کے وہ معنی ملاحظہ ہوں، جو ہمارے مفسرین نے بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ ہم مشہور مفسر امام قرطبی کی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" سے پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اس تفسیر میں غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کیا جاتا ہے:۔

ا۔ اُمّی کا لفظ اُمّی قوم کی طرف سے منسوب ہے۔ یعنی ایسی قوم کہ جو اپنی حالت پیدائش پر قائم ہے کہ نہ تو اس نے لکھنا سیکھا اور نہ ہی پڑھنا اس معنی کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ صحیح بخاری کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ جس کے مطابق رسول اللہ صلعم نے خود فرمایا تھا کہ ہم اُمّی قوم ہیں، جو نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں، اس حدیث میں اُمّی کا لفظ عام ہے۔ تاہم اسے رسول اللہ صلعم کے ساتھ خاص کرنے کے لئے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کا حوالہ دیا گیا ہے:۔

مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ

(سورۃ العنکبوت آیت ۴۸)

(ترجمہ) کہ (اے رسول اللہ صلعم) آپؐ اس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھنے تھے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔

۲۔ اُمّی کے دوسرے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ یہ ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کی نسبت سے ہیں اور یہ معنی مشہور نحوی نحاس نے بیان کئے ہیں۔

(جلد ہفتم صفحہ ۲۹۸ - ۲۹۹)

اُمّی کے پہلے مفہوم کو تو ہمارے ہاں عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن معلوم نہیں، اس کے دوسرے مفہوم کو کیوں نہیں بیان کیا جاتا ہے لیکن معلوم نہیں، اس کے دوسرے مفہوم کو کیوں نہیں بیان کیا جاتا حالانکہ تمام تفاسیر میں اس کا ذکر موجود ہے۔ یہی نہیں بلکہ بعض مفسرین نے تو دوسرے مفہوم کو ترجیح دی ہے مثلاً علوم حدیث کی مشہور ڈکشنری جو "مجمع بحار الانوار" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مصنف الشیخ محمد طاہر نے، اسی دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔ عربی گرامر کے امام نحاس نے تو اسے عربی گرامر کے قواعد کے مطابق ترجیح دی ہے لیکن خود قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے انہی معانی کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن پہلے اس سلسلے میں عربی گرامر کا قاعدہ ملاحظہ ہو۔

اُمّی کا لفظ عربی گرامر کے عام قاعدے کے مطابق 'اُمّ القریٰ' کے مرکب اضافی کے مضاف 'ام' میں یائے نسبت لگا کر بنایا گیا ہے کیونکہ عربی گرامر کا یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر منسوب الیہ مرکب ہو تو طوالت سے بچنے کے لئے اس کے ایک جزو کے ساتھ یائے نسبت لگا دی جاتی ہے۔ مثلاً اسلامی تاریخ میں ایک مشہور حکمران خاندان عبیدین کا حال ملتا ہے، انکی نسبت بھی اسی قاعدے کے مطابق بنائی گئی ہے۔ حکومت فاطمیہ کے بانی کا نام عبیداللہ المہدی تھا اور اس میں عبید اللہ کے مرکب اضافی کے مضاف عبید کے ساتھ یائے نسبت لگا کر عبیدی بنایا گیا۔ جس کی جمع عبیدین۔ جیسے اُمّی کی امیّین۔

اس کی تائید قرآن مجید سے یوں ہوتی ہے کہ کہیں تو لفظ امیّین استعمال ہوا ہے اور کہیں اس کی بجائے لفظ اُمّ القریٰ ہی کو استعمال کیا گیا۔ مثلاً سورت جمعہ کی یہ آیت ملاحظہ ہو۔

بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّی قوم کے لوگوں میں، انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔

اور سورۃ انعام میں اس کی تشریح یوں فرما دی:۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ
وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا۔ (آیت نمبر ۱۰)

ترجمہ:۔ اور یہ کتاب جسے ہم نے نازل کیا ہے، برکتوں سے بھرپور ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ تاکہ تم اس سے اُمّ القریٰ اور اس کے اردگرد رہنے والے

لوگوں کو متنبہ کر سکو۔

سورۃ آل عمران میں اس لفظ کی مزید تعین کر دی گئی ہے کہ اس سے مراد بنی اسماعیل کے لوگ ہیں۔ ارشاد ہے:

وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا

ترجمہ:۔ اور (اے رسول!) تم اہلِ کتاب اور اُمیّین سے پوچھو کہ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ ہدایت پا گئے۔

خیال رہے کہ عرب میں اس وقت یا تو اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ آباد تھے یا بنی اسماعیل جنہیں ان آیات میں اُمیّین کہا گیا ہے۔

ہمارے مفسّرین کریم قرآنی الفاظ کے مختلف معانی بیان کر دیتے تھے اور یہ کوئی اپنے ذوق کے مطابق کسی معانی کو ترجیح دیتا اور اس کی تائید میں قرآن مجید سے مزید استدلال کرتا، اسی طرح انہوں نے لفظِ اُمّی کے بھی دونوں معنی بیان کر دیئے ہیں اور اوپر قرآن مجید سے اس کے دوسرے معنی کی تائید میں جو دلائل نقل کئے گئے ہیں ان سے اس کے معنی "بنی اسماعیل" زیادہ مستند معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض مفسرین نے اس معنی کو ترجیح دی ہے جس کی تفصیل اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ مودودی ان معانی کو غلط قرار دے کر، ان پڑھ کے معنی پر اصرار کرتے ہیں، ان کا اصرار ان کے اپنے لفظوں میں ملاحظہ ہو۔ سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر ۵۱ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قرآن مجید کے اس بیان و استدلال کے بعد ان لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضور کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقتور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ جن روایات کا سہارا لے کر، یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضورؐ لکھے پڑھے تھے، یا بعد میں آپؐ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ وہ اوّل تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں، کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔"

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۷۱۳ دسواں ایڈیشن)

لیکن مودودی صاحب اپنے آپ کو صرف اسی حد تک ہی محدود نہیں کرتے بلکہ وہ اُمّی کی ایک تیسری ایسی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ جس کی تائید نہ تو عربی لغت و گرامر سے ہوتی ہے اور نہ ہی کسی مفسّر نے اسے بیان کیا ہے اور نہ اس سلسلے میں معتبر تو کجا کوئی ضعیف روایت بھی نہیں ملتی۔ اسے ایک یوروپی مستشرق روڈویل (ROD WELL) نے بیان کیا ہے اور ایسے معلوم ہوتا ہے

محترم پرویز صاحب کا ہفتہ وار درس قرآن کریم

محترم پرویز صاحب کے اس درس نے عالمگیر شہرت حاصل کر لی ہے۔ مرکزی درسگاہ تو ادارۂ طلوع اسلام (۲۵/B گلبرگ ۲) ہے جہاں یہ درس (آج کل) ہر جمعہ کی صبح ۸½ بجے بذریعہ وی سی آر (V.C.R) ہوتا ہے لیکن اندرون پاکستان اور بیرونی ممالک میں اسے ٹیپس (TAPES) کے ذریعے عام کیا جاتا ہے۔ حسب ذیل مقامات پر یہ (V-C-R) کے ذریعے نشر ہوتا ہے:۔

کراچی:۔ ہر جمعہ ۹½ بجے صبح کتب خانہ بزم طلوع اسلام کمرہ نمبر ۴ ۲ ہارون چیمبرز الطاف حسین روڈ نیو چالی فون نمبر:۔ ۲۳۸۸۲۸

اوسلو:۔ (ناروے) ہر اتوار شام ۵ بجے بمقام:۔
JINNAH HALL, KEYSERS GATE-I
OSLO—I
زیر انتظام محترم امجد محمود صاحب نمائندہ بزم فون نمبر 02-615756

لندن:۔ (یوکے) ہر ماہ کے آخری اتوار دو بجے بعد دوپہر بمقام
47 HURLE ROAD
GREEN FORD MIDDLE SEX
TEL : 01—578—5631

ٹورنٹو:۔ (کینیڈا) ہر ماہ کا پہلا اتوار ۱۰ بجے صبح
335 DRIFTWOOD - AVE: # 311,
DOWNS VIEW, TORONTO (ONT:)
M3N — 2P3, TEL: (416) 661—2827

پشاور:۔ ہر جمعہ صبح ۱۰½ بذریعہ (VCR) رہائش: شیر افضل خان نمائندہ بزم بالمقابل رحمان برادرز ٹمبر کارپوریشن یونیورسٹی روڈ تہکال پایاں پشاور

جہلم:۔ ہر ماہ کا آخری جمعہ بعد نماز جمعہ یوسف بٹ صاحب بٹ آئرن سٹور چک جمال روڈ کالا گوجراں جہلم

لاہور:۔ ہر جمعہ ۸½ بجے صبح - ۲۵-بی گلبرگ ۲ نزد پولیس اسٹیشن فون نمبر:۔ ۸۸۰۸۰۰ (بذریعہ وی سی آر (V-C-R)

گوجرانوالہ:۔ ہر جمعہ بعد نماز جمعہ درس قرآن کریم بذریعہ وی سی آر دفتر بزم طلوع اسلام ملحق رہائش گاہ چوہدری مقبول شوکت نمائندہ بزم گل روڈ گوجرانوالہ

گجرات:۔ ہر جمعرات تین بجے سہ پہر رہائش گاہ: ڈاکٹر محمد اکرم مرزا صاحب جناح کالونی (گجرات) ٹیلیفون نمبر:۔ ۳۶۳۰ + ۳۷۴۰

فریڈرکستاد:۔ (ناروے) ہر ماہ کا پہلا اور تیسرا اتوار شام ۴ بجے بمقام
ARNE—SVENDSENS—GATE—1, 1600
FREDRIKSTAD, NORWAY
TEL: (032) 10287 / 22802

برمنگھم:۔ (انگلینڈ) ہر ماہ کا پہلا اتوار ۲ بجے بعد دوپہر
227/229 ALUM ROCK ROAD 38—
3 BH (BIRMING HAM)

ملتان:۔ جمعہ ۹ بجے صبح دفتر میسرز شاہ سنز بیرون پاک گیٹ (فون نمبر:۔ ۳۱۰۷۱)

لندن یوکے: ہر ماہ کے دوسرے اتوار 39 MANSELL RD GREENFORD MIDDLE SEX TEL 01-575-5862

اور ذیل کے مقامات پر، عام (TAPES) کے ذریعے

نام بزمِ طلوعِ اسلام	دن اور وقت	مقام اور درس کے کوائف
لندن (انگلینڈ)	ہر ماہ کا پہلا اتوار ۲ ½ بجے بعد دوپہر	76, PARK ROAD, ILFORD, TELPHONE No. 553 — 1896
کوئٹہ	باقاعدہ ہفتہ وار	رابطہ کے لئے :۔ صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ باہتمام غلام صابر صاحب
فیصل آباد	جمعہ ۳ ½ بجے سہ پہر	حیات سرجری کلینک، ۲۳/پ پیپلز کالونی فون نمبر :۔ ۴۲۸۵۵)
ہنگو	جمعہ ۵ ½ بجے شام	رہائش گاہ محمد جمیل صاحب واقع ریلوے روڈ فون نمبر (۶۷)
راولپنڈی	ہر جمعہ ۵ بجے شام	۱۶۶ - جی لیاقت روڈ
پنجکسی تحصیل کبیر والہ (ملتان)	جمعہ ۳ بجے سہ پہر	مطب حکیم احمد الدین مرحوم (نمائندہ بزم) چوہدری عبدالعزیز صاحب ایم اے
گجرات	جمعہ بعد نماز جمعہ اور اتوار ۴ بجے سہ پہر	۱۲۰/بی بھمبر روڈ باہتمام شیخ قدرت اللہ صاحب ایڈووکیٹ
جلال پور جٹاں	جمعہ بعد نماز جمعہ	دفتر بزمِ طلوعِ اسلام (بازار کلاں)
ایبٹ آباد	۱۔ جمعہ ۴ بجے سہ پہر ۲۔ اتوار ۴ بجے سہ پہر	رہائش گاہ :۔ صلاح الدین صاحب واقع 234-K-L کہیال (ایبٹ آباد) رہائش گاہ :۔ غلام مصطفٰے اعوان صاحب K-356 گنج گراؤنڈ (ایبٹ آباد)
بوریوالہ	ہر ماہ کا پہلا اور تیسرا جمعہ بعد نماز جمعہ	بر مکان محمد اسلم صابر مرتضٰی پورہ گلی نمبر ۵ تنیسرا چوک ملتان روڈ۔ بورے والہ
سرگودھا	ہر جمعہ صبح ۹ بجے	رہائش گاہ :۔ ارشد محمود ارشد ۶۰/A سول لائن ریلوے روڈ سرگودھا (جو ماہین خیام سینما اور شمع سینما مین ریلوے روڈ پر واقع ہے (فون ۴۷۱۶)

بیرونی ممالک کیلئے طلوعِ اسلام کے ڈاک خرچ میں اضافہ

محکمہ ڈاک پاکستان کی طرف سے یکم جولائی ۱۹۸۶ء سے بین الاقوامی پوسٹیج ریٹس میں، یونیورسل پوسٹل کانگرس کے تازہ فیصلوں کے مطابق ترمیمات عمل میں آگئی ہیں۔ جس کی رُو سے طلوعِ اسلام کے بیرونِ ملک کے خریداروں سے سالانہ ڈاک خرچ میں اضافہ ماہِ اگست کے پرچہ سے حسبِ ذیل محسوب ہوگا:۔

(۱) اندرونِ ملک پاکستان .... ۴۸/- روپے
غیر ممالک بذریعہ بحری ڈاک ۱۱۰/- "

(۲) غیر ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک:۔

(i) ایران، عراق، مصر اور بنگلہ دیش ۱۴۰/- "
(ii) عرب امارات۔ لبنان۔ یمن۔ کویت۔ سعودی عرب۔ سری لنکا۔ جزائر مالدیپ وغیرہ ۱۵۰/- روپے
(iii) انڈیا، برما، لیبیا، کینیا، یوگنڈا، جنوبی افریقہ وغیرہ ۱۶۰/- روپے
(iv) یورپ کے ممالک (برطانیہ فرانس ناروے وغیرہ) ۱۶۰/- روپے
(v) جنوب مشرقی ایشیائی ممالک (فلپائن۔ سنگاپور۔ ملائشیا۔ جاپان وغیرہ) ۱۶۰/- روپے
(vi) امریکہ، کینیڈا، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، جزائر فجی وغیرہ ۲۰۸/- روپے

(۳) مذکورہ بالا چندہ میں خرچ ڈاک شامل ہے۔ البتہ جو خریدار پرچہ بذریعہ رجسٹری منگوانا چاہیں ان کی طرف سے فیس رجسٹری (۳/- روپے فی پرچہ) علیحدہ ادا کرنا ہوگا۔

(۴) ہمیں امید ہے کہ خریدار حضرات اس ترمیم کو بطیبِ خاطر قبول فرمائیں گے۔
ادارہ طلوعِ اسلام ان احباب کے تعاون کا متمنی رہتا ہے۔

والسلام

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

باسمہ تعالےٰ

اسلام کے مقابل اسلام

(پرویزؒ)

غالبؔ نے اپنے متعلق کہا تھا کہ ـــــ قدرِ شعرِ من بگیتی، بعدِ من خواہد شدن ـــــ دنیا میں میرے شعر کی قدر میرے بعد ہوگی ـــــ اقبالؔ نے بھی اسی احساس کا اظہار کیا تھا جب کہا تھا کہ ـــــ من نوائے شاعرِ فرداستم۔ "میں آنے والے شاعر کی آواز ہوں۔ میرا زمانہ میرے بعد آئے گا۔" میں اپنے آپ کو ان اربابِ فکر و بصیرت کے زمرے میں شمار کرنے کی جرأت تو نہیں کر سکتا، لیکن اس حقیقت کے اظہار سے باز بھی نہیں رہ سکتا کہ جو کچھ میں اسلام کے متعلق کہہ رہا ہوں وہ آنے والے مؤرخ کے لئے یادداشت کا کام دے گا۔ وہ دیکھے گا کہ جب یہاں اسلام پہ یہ کچھ بیت رہی تھی تو ایک گوشے سے قرآن کی آواز بھی بلند ہو رہی تھی۔ قرآن کریم نے اپنے اوّلین مخاطبین (کفار) کے متعلق کہا تھا کہ وہ اپنے گروہ کے لوگوں سے کہتے تھے کہ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ۔ تم اس قرآن کی آواز اپنے کان میں نہ پڑنے دو۔ وَالْغَوْا فِيْهِ۔ اور اس قدر شور مچاؤ کہ دوسرے بھی اسے سننے نہ پائیں۔ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (۴۱/۲۶). بس یہی ایک طریق ہے جس سے تم قرآن کی طرف دعوت دینے والوں پہ غالب آسکو گے۔ اگر لوگوں نے اس کی آواز سن لی تو پھر وہ تمہارے قابو نہیں آسکیں گے۔ یہی ٹیکنیک ہمارے زمانے کے اس ہجوم نے اختیار کر رکھی ہے جو نہیں چاہتے کہ قرآن کی آواز بلند ہونے پائے۔ قرنِ اوّل کے معاندین کے مقابلہ میں ان کے پاس پراپیگنڈہ کے بڑے وسیع اور شدید الاثر ذرائع ہیں۔ عوام ویسے ہی جذباتی ہوتے ہیں، اس پراپیگنڈہ نے ان کے جذبات کو اس قدر دو آتشہ بنا دیا ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پہ آتش گیر مادہ بن جاتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے دانشور طبقہ کا تعلق ہے، جو کچھ اسلام کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، اس سے وہ مذہب کے نام سے متنفر یا کم از کم (DISINTERESTED) ہو چکے ہیں۔ میرے زمانۂ ملازمت کی بات ہے۔ دفتر میں ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ تھا اور اس کے سیکشن میں ایک "احمدی" کلرک۔ "احمدیوں" کا تو یہ معمول ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک تک اپنا لٹریچر پہنچاتے ہیں۔ ایک دن اس کلرک نے اپنا کچھ لٹریچر اس سپرنٹنڈنٹ کو دیا۔ اس نے پوچھا کہ یہ لٹریچر کس موضوع سے متعلق ہے؟ اس نے کہا کہ یہ مذہب سے متعلق ہے۔ اُس نے وہ کاغذات اس کی طرف لوٹا دیئے اور کہا کہ انہیں گرجا کے پادری کے پاس لے جاؤ، اسے اس کام کی تنخواہ ملتی ہے۔ مجھے نہیں۔ ہمارے دانشور طبقہ کی حالت کچھ ایسی ہی ہو چکی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب ایک ایسا (SUBJECT) ہے جس کا تعلق مولوی صاحبان سے ہے۔ اِن سے اُس کا کچھ واسطہ نہیں۔

وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس، مسٹر جسٹس آفتاب حسین نے اس بارے میں گلہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ملک کے علما اور دانشوروں سے اپیل کی کہ وہ ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے وفاقی شرعی عدالت سے تعاون کریں۔ انہوں نے کہا کہ

انہوں نے بارہا اخبارات میں اشتہارات بھی شائع کروائے لیکن ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے سلسلے میں وکلا اور علماء حضرات نے کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں دکھایا۔ انہوں نے کہا کہ علماء زبانی کلامی تو اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے بہت کچھ کہتے ہیں لیکن عملاً انہوں نے تعاون کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وفاقی شرعی عدالت کی دعوت پر چند علماء نے کچھ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے سلسلے میں اپنی آراء بھیجی تھیں لیکن انہوں نے اپنی اس رائے میں صرف فقہ کو تحریر کر دیا تھا اور اکثر جگہوں پہ قرآن اور حدیث کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اس لئے ان کی آراء ہماری مناسب مدد نہیں کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ وکلا بغیر فیس کے کوئی مشورہ نہیں دیتے، اس لئے وکلا نے وفاقی شرعی عدالت سے بھی قابلِ ذکر تعاون نہیں کیا۔

(روزنامہ جنگ۔ لاہور۔ مورخہ ۱۹ر نومبر ۸۲ء)

یہ اُس طبقہ کا حال ہے جس کا براہِ راست تعلق مذہب اور قوانین سے ہے۔ اس سے مذہب کے ساتھ دلچسپی کے متعلق دیگر طبقات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اندریں حالات آپ سوچئے کہ قرآن کی جو آواز میں بلند کر رہا ہوں اس پہ کون کان دھرے گا؟ عوام سے کہہ دیا گیا ہے کہ "یہ کفر ہے۔ الحاد ہے، بے دینی ہے۔ اس کے قریب تک نہ جانا!" خواص نفسِ مذہب ہی سے لاتعلق ہو چکے ہیں۔ بایں ہمہ میں اس آواز کو بلند کئے جا رہا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ میں نے اسے اپنی زندگی کا فریضہ قرار دے رکھا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اس قحط الرجال کے باوجود ایسے سعادت مند حضرات موجود ہیں جو اس آواز میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور تیسرے اس لئے کہ میری یہ آواز ریکارڈ میں رہے تاکہ آنے والا مؤرخ اس سے استفادہ کر سکے۔ (ورنہ) جہاں تک قرآن کے ساتھ اس دور کا عمومی تعلق ہے، اس کی حالت ایسی ہو چکی ہے جس کا اقبال نے ان حقیقت افروز لیکن نہایت حسرت افزا الفاظ میں اظہار کیا تھا کہ

خوابم ز یاد رفتہ و تعبیرم آرزو ست — میں نے جو خواب دیکھا تھا وہ تو بھول گیا ہے لیکن میں یہ آرزو دل میں لئے بیٹھا ہوں کہ اس کی تعبیر میرے سامنے آجائے۔

اقبال کا خواب

اقبال نے ایک خواب دیکھا تھا۔ یہ خواب کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین (نظامِ حیات) حضور نبی اکرمؐ کی وساطت سے نوعِ انسان کو عطا فرمایا تھا اور جسے آپؐ نے عملاً نافذ کر کے دکھا دیا تھا، اسے پھر سے زندہ حقیقت بنا کر دُنیا کو بتا دینا چاہئے کہ یہ ہے وہ فردوس بریں جسے بنی آدم نے گم کر دیا تھا۔ اس نے کہا کہ جو اسلام، مسلمانوں کے ہاں صدیوں سے رائج چلا آ رہا ہے، وہ دین نہیں جو صدرِ اوّل میں قائم ہوا تھا۔ یہ وہ مذہب ہے جو صدرِ اوّل کے بعد ہمارے ہاں ملوکیت میں وضع ہوا تھا۔ حقیقی دین کے احیاء کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا خطۂ زمین ہو جس میں پہلے سے کوئی نظامِ حیات نہ ہو۔ اس میں قرآن کی بنیادوں پہ اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ اسکے لئے انہوں نے ۱۹۳۰ء میں اس خطۂ زمین کے حصول کو اپنے سامنے بطور نصب العین رکھا۔ انہوں نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

اس سے اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ اُن اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملوکیت کی وجہ سے اس پہ اب تک قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پہ صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے

نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔
(خطبۂ صدارت - الہ آباد)

اس سے بھی پہلے انہوں نے اپنے "خطباتِ تشکیلِ جدید" میں سعید حلیم پاشا (مرحوم) کی ہم نوائی میں کہا تھا:-
اندریں حالات ہمارے لئے کشائشِ کار کی ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ کہ آئینۂ اسلام پر غیر اسلامی زنگ کی جو سختی اور درشتی تہیں جم گئی ہیں اور جن کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے، انہیں کھرچ کھرچ کر الگ کر دیا جائے، اور حریت، سالمیت اور مساوات کی حقیقی اقدار کو از سرِ نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی، عمرانی اور سیاسی نظام کی تشکیلِ جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو۔ (چھٹا خطبہ)

وہ جانتے تھے کہ اس اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت مذہبی پیشوائیت کی طرف سے ہو گی۔ کیونکہ مذہب ان کے لئے ذریعۂ معاش بن چکا ہے، اور جب حکومت کے ساتھ ان کی ساز باز ہو جائے تو یہ ذریعۂ معاش ہی نہیں رہتا، وجہِ حصولِ اقتدار بھی بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس حقیقی اسلام میں اس انسٹی ٹیوشن کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ آپ کلامِ اقبال کو شروع سے اخیر تک دیکھ جائیے۔ اس میں آپ کو مُلّا کی مخالفت بہ شد و مد ملے گی۔ وہ ان کے وجود کو مسلمانوں کی تباہی کا اوّلیں سبب قرار دیتے ہیں۔ وہ مسلمان سے واضح طور پر کہتے ہیں کہ

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کُشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

اپنے کلام کے علاوہ، وہ دیگر مقامات پر بھی اسی خطرہ کو دُہراتے رہے۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس (منعقدہ مارچ ۱۹۳۲ء) میں اپنے خطبۂ صدارت کے دوران فرمایا:-

مُلّاّئیت کے خلاف

ہمارے دین کی یہ بلند فطری مُلّاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے، اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم جذبات اور حالات کے ایک قید خانے میں محبوس ہیں جسے صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر رکھا ہے۔ ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں نئی تمنّاؤں اور نئے نصب العین کی اُمنگ کو محسوس کرنے لگ جائے۔

انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ اس نئی مملکت کے نظام کی بنیاد قرآن خالص ہو گی۔ اور یہی چیز ہماری مذہبی پیشوائیت کے لئے بناءِ مخالفت ہو گی۔ اس لئے ان کا مقابلہ کرنا بڑی جرأت طلب اور صبر آزما مہم ہو گی۔ انہوں نے اپنے خطبات میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

یہ سوال زُود یا بدیر مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے کہ اسلامی قوانینِ شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں۔ یہ سوال بڑا اہم ہے اور بہت بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی۔ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہیئے بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح کو لے کر بڑھے۔ وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا اور حُریت پسند قلب ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت نصیب ہوئی کہ

نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے ۔

(خطبۂ صدارت ۔ الہ آباد)

اس سے بھی پہلے انہوں نے اپنے "خطباتِ تشکیلِ جدیدہ" میں سعید حلیم پاشا (مرحوم) کی ہم نوائی میں کہا تھا :۔

اندریں حالات ہمارے لئے کشاد کار کی ایک ہی راہ ہے ۔ اور وہ یہ کہ آئینۂ اسلام پر غیر اسلامی زمانہ کی جو سخت اور درشت تہیں جم گئی ہیں اور جن کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے ، انہیں کھرچ کھرچ کر الگ کر دیا جائے ، اور حریت ، سالمیت اور مساوات کی حقیقی اقدار کو از سرِ نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی ، عمرانی اور سیاسی نظام کی تشکیلِ جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو ۔ (چھٹا خطبہ)

وہ جانتے تھے کہ اس اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت مذہبی پیشوائیت کی طرف سے ہوگی ۔ کیونکہ مذہب اُن کے لئے ذریعۂ معاش بن چکا ہے ، اور جب حکومت کے ساتھ ان کی ساز باز ہو جائے تو یہ ذریعۂ معاش ہی نہیں رہتا ، وجۂ حصولِ اقتدار بھی بن جاتا ہے ۔ اس کے برعکس حقیقی اسلام میں اس انسٹی ٹیوشن کا وجود ہی باقی نہیں رہتا ۔ آپ کلامِ اقبال کو شروع سے اخیر تک دیکھ جائیے ۔ اس میں آپ کو مُلّا کی مخالفت بہ شدّ و مد ملے گی ۔ وہ ان کے وجود کو مسلمانوں کی تباہی کا اوّلیں سبب قرار دیتے ہیں ۔ وہ مسلمان سے واضح طور پر کہتے ہیں کہ :-

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

اپنے کلام کے علاوہ ، وہ دیگر مقامات پر بھی اسی خطرہ کو دُہراتے رہے ۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس (منعقدہ مارچ ۱۹۳۲ء) میں اپنے خطبۂ صدارت کے دوران فرمایا :۔

مُلّائیت کے خلاف

ہمارے دین کی یہ بلند فطرتی مُلّاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے ، اور آزادی چاہتی ہے ۔ روحانی اعتبار سے ہم جذبات اور حالات کے ایک قیدخانے میں محبوس ہیں ۔ جسے صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر رکھا ہے ۔ ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ نوجوانوں کو ان اقتصادی ، سیاسی بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی اُمنگ کو محسوس کرنے لگ جائے ۔

انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ، اس نئی مملکت کے نظام کی بنیاد قرآن خالص ہوگی ۔ اور یہی چیز ہماری مذہبی پیشوائیت کے لئے بناء مخالفت ہوگی اس لئے ان کا مقابلہ کرنا بڑی جرأت طلب اور صبر آزما مہم ہوگی ۔ انہوں نے اپنے خطبات میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

یہ سوال زُود یا بدیر مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے کہ اسلامی قوانینِ شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں ۔ یہ سوال بڑا اہم ہے اور بہت بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی ۔ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہئے بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح کو لے کر بڑھے ۔ وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا اور حریت پسند قلب ہے جسے رسول اللہ ؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت نصیب ہوئی کہ

حسبنا کتاب اللہ

ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے

وہ جانتے تھے کہ جس نظام کی بنیاد قرآنِ خالص پر ہوگی وہ دنیا کے ہر غیر قرآنی نظام کا مخالف ہوگا۔ اس میں ہر قسم کی شخصی حکومت کی مخالفت ہوگی خواہ وہ ملوکیت ہو یا آمریت، حتیٰ کہ مغرب کی جمہوریت بھی۔ اس میں مغرب کی استعماریت کی بھی مخالفت ہوگی۔ اور وطن اور نسل کی بنیادوں پر نیشنلزم کی بھی۔ اس میں نہ مغرب کا نظام سرمایہ داری بار پا سکے گا نہ ہی روس کا اشتراکی نظام۔

ہر طرف سے مخالفت

اس اعتبار سے اس جدید مملکت کی مخالفت مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت ہی کی طرف سے نہیں ہوگی بلکہ دنیا کی ہر قوم کی طرف سے ہوگی۔ بنا بریں انہیں اس کا احساس تھا کہ اس مملکت کے قیام اور استحکام کی مخالفت ہر قوم کی طرف سے ہوگی۔ کوئی قوم بھی اسے برداشت نہیں کرسکے گی کہ یہ نظام دنیا کے کسی خطے میں بھی قائم ہوجائے۔ چنانچہ کلامِ اقبال میں اقوامِ مغرب اور تہذیبِ مغرب کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے (اور اس تکرار و اصرار کے ساتھ کہا گیا ہے) اس سے مقصود قرآنی مسلمانوں کو متنبہ (WARN) کرنا تھا کہ تمہاری اس سکیم کی مخالفت تمام دنیا کی طرف سے ہوگی۔

قائدِ اعظمؒ

اقبالؒ یہ کہتا ہوا دنیا سے چلا گیا تو اس کے بعد قائدِ اعظمؒ اس پکار کو لے کر آگے بڑھے۔ سب سے پہلے انہوں نے یہ بتایا کہ اس مملکت میں اندازِ حکومت کس قسم کا ہوگا۔ فرمایا کہ یہ اسلامی مملکت ہوگی اور

> اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔
>
> (انٹرویو حیدر آباد۔ دکن۔ شائع شدہ روزنامہ انقلاب۔ لاہور۔ مورخہ ۸ فروری ۱۹۴۲ء)

انہوں نے بھی اقبالؒ کے تتبع میں اس امر کی وضاحت کردی کہ اس مملکت میں مذہبی پیشوائیت کا وجود نہیں ہوگا۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے، نوجوانوں سے کہا تھا کہ

> مسلم لیگ نے (کم از کم) ایک کام تو کر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر کے چنگل سے چھڑا دیا ہے۔۔۔۔ اس نے تمہیں اس ناخوش آئند طبقہ کی جکڑ بندیوں سے آزاد کرا دیا ہے جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں۔ (تقاریر۔ جلد اوّل۔ ص۴۵)

انہوں نے مسلم لیگ کنونشن منعقدہ دہلی (۱۱ر اپریل ۱۹۴۶ء) میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

> اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ یاد رکھئے! ہمارا نصب العین تھیاکریسی نہیں۔ ہم تھیاکریٹک سٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔ (طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۴۲ء)

انہوں نے قیامِ پاکستان کے بعد فروری ۱۹۴۸ء میں بہ حیثیت گورنر جنرل اہلِ امریکہ کے نام اپنے براڈکاسٹ میں کہا تھا کہ

تھیاکریسی نہیں ہوگی

پاکستان میں کسی قسم کی تھیاکریسی نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

چونکہ ہمارے ہاں ابھی تک نہ تو تحریکِ پاکستان کی کوئی مستند تاریخ مرتب ہوئی ہے اور نہ ہی قائداعظم کی کوئی معیاری سوانح حیات، اس لئے یہ چیز قوم کے سامنے آئی ہی نہیں کہ تحریکِ پاکستان میں متصادم محاذ کون کون سے تھے اور ان میں وجۂ نزاع اور بنائے مخالفت کیا تھی۔ یہ متصادم محاذ تھے مذہبی پیشوا اور اقبالؒ اور قائداعظمؒ اور بنائے مخالفت تھی اسلام کا وہ تصوّر جسے علماء پیش کرتے تھے۔ اور اس کے برعکس وہ تصور جو اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے پیشِ نظر تھا۔ یہ جنگ تھی درحقیقت اسلام کے دو تصوّرات کے درمیان — ایک وہ اسلام جو کتاب اللہ پر مبنی تھا۔ دوسرا وہ اسلام جو ہمارے دورِ ملوکیت کا وضع کردہ تھا اور جس کے علمبردار ہمارے علماء تھے، اور ان کے ہم نوا وہاں کے ہندو۔ ہندو اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر قرآنی نظام ان کی دیوار بہ دیوار مملکت (پاکستان) میں قائم ہو گیا تو اس کے انسانیت ساز نتائج کو دیکھ کر وہاں کی (مسلم اور غیرمسلم) آبادی حکومت کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گی۔ اس لئے وہ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ مملکتِ پاکستان میں اقبالؒ اور جناحؒ کے تصوّر کا اسلام کارفرما ہو جائے۔ آپ دیکھئے کہ وہاں یہ ہر دو تصورات کس طرح ایک دوسرے سے متصادم تھے۔ (چونکہ اس جنگ کی ابتدا ہندوستان کی سرزمین سے ہوئی تھی اس لئے ہم اس کا آغاز وہیں سے کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اقوامِ مغرب نے اس جنگ میں کیا رول ادا کیا ہے اور ابھی تک کر رہی ہیں)۔

علماء کا اسلام

ہندوستان میں علماء کا مسلک یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو شخصی قوانین۔ نکاح، طلاق وغیرہ کی آزادی ہو، تو حکومت خواہ سیکولر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے اسلام کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ (ان علماء کے سرخیل) مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کا ارشاد تھا کہ

> ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں۔ حاصل کرنے کے لئے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہئے۔ ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے۔
> (زمزم، ۷ جولائی ۱۹۳۸ء)

اس اسلام کے تحفظ کی ضمانت ہندو دیتا تھا۔ مولانا مذکور کے ارشاد کے مطابق:-

> کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہبِ اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ لگے۔ (مولانا مدنی کا پمفلٹ "متحدہ قومیت اور اسلام" ۱۹۳۸ء۔ جسے انہوں نے علامہ اقبالؒ کے جواب میں شائع کیا تھا)

یہ تھا اسلام کا وہ تصوّر جسے علماء کرام پیش کرتے تھے اور جس کے تحفظ کی ضمانت ہندو دیتا تھا۔ اس کے برعکس داعیانِ پاکستان کے پیش کردہ اسلام کا تصوّر یہ تھا کہ اسلام کو اسی صورت میں آزاد تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ اس کا نفاذ مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت میں ہو۔ اسلام میں مملکت کی بنیاد ہی دین پہ استوار ہوتی ہے۔ اس تصوّر کے اسلام کے متعلق ہندو کا ردِعمل کیا تھا، اسے غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اوائل ۱۹۳۸ء میں جب مملکتِ پاکستان کا مقصود و مطلوب ابھر کر سامنے آگیا تھا، کانگریس کے (اس زمانے کے) مشہور لیڈر، مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے ایوان اسمبلی میں کہا

...پارٹی کے لیڈر تھے، قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:-
اب یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جا سکے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آچکا ہے کہ ہم اعتراف کر لیں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ضمیر، مذہب اور خدا کو ان کے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انہیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔ اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم رہ سکتا ہے۔ عصر حاضر میں بہترین نظام حکومت اس نظریہ پر قائم ہو سکتا ہے کہ جغرافیائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتے میں منسلک ہو کر ایک قوم بن جائیں۔ (ہندوستان ٹائمز - ۱۹۳۸ء - ۹ - ۵)

...س پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے ہندوستان ٹائمز نے لکھا کہ
حکومت الٰہیہ کا تصور ایک داستان پارینہ ہے اور مسلمانوں کا فعل عبث ہوگا اگر وہ ہندوستان جیسے ملک میں اس کے احیاء کی کوشش کریں جہاں مختلف جماعتیں ایک دوسرے سے گتھی ہوئی ہیں، یا اس امر کا خیال کریں کہ اس مقصد کے لئے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ علامت خوش آئند ہے کہ خود مسلمانوں کے ذمہ دار رہنما اس سراب کے پیچھے لگنا نہیں چاہتے۔ (ہندوستان ٹائمز ۱۹۳۹ء-۱۱-۱۴)

اور خود مسٹر گاندھی نے کہا:-
اگر میں ڈکٹیٹر ہوتا تو مذہب اور حکومت کو الگ الگ کر دیتا۔ مجھے میرے مذہب کی قسم، میں اس کے لئے جان تک دے دیتا۔ مذہب میرا ذاتی معاملہ ہے۔ حکومت کو اس سے کیا واسطہ۔ حکومت کا منصب یہ ہے کہ وہ تمہاری دنیاوی ضروریات کا خیال رکھے ..... مذہب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب ہر شخص کا پرائیویٹ معاملہ ہے۔ (ہریجن - ۱۹۴۶ء - ۱۲ - ۹)

جب مارچ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی، تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے، مسٹر گاندھی نے کہا تھا:-
میں پوری جرأت اور جسارت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ وہ اس پیغام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں جو لفظ اسلام کے اندر پوشیدہ ہے۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج کل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے دل پر سخت ٹھیس لگ رہی ہے۔ میں اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں کوتاہی کروں گا اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ بافی سے متنبہ نہ کر دوں جس کا اس نازک وقت میں، ان میں پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۴۰ء - ۴ - ۷)

اس کے دو ہی ماہ بعد مسٹر گاندھی نے پھر کہا کہ
اگر مذہب کو علیٰحدہ رہنے دیا جائے۔ یعنی ایک نج کا معاملہ اور خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق، تو پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے کئی ایک اہم مشترک عناصر نکل آئیں گے جو مجبور کریں گے کہ یہ دونوں ایک مشترکہ زندگی بسر کریں۔ اور ان کی راہ عمل بھی مشترک ہو۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۴۰ء - ۶ - ۹)

یکم نومبر ۱۹۴۱ء کو لدھیانہ میں اکھنڈ بھارت کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت ہندوؤں کے مشہور رہنما مسٹر منشی نے کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:۔

تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے مسکن بنائیں جہاں طرز حکومت، قرآنی اصولوں کے سانچے میں ڈھل سکے اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے، مختصر یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطۂ ارض ہوگا جہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ (ٹریبیون، ۱۹۴۱-۱۱-۲)

یہ کچھ ہندوؤں نے تحریک پاکستان کے دوران کہا۔ تقسیم ہند کے بعد بھی یہ شعلہ ان کے سینے میں برابر بھڑکتا رہا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوجائے گی۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد وہاں کے مشہور اخبار ہندوستان ٹائمز نے اپنی ۱۱ / اکتوبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت کے اداریہ میں لکھا تھا:۔

پاکستان، بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں کو اتنا خوف و ہراس اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے رہنماؤں نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و روایات کے مطابق ایک اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے (اسی مقالۂ افتتاحیہ میں) کہا کہ

اگر کشمیر کا مسئلہ پر امن طریق سے طے ہوجائے اور پاکستان اسلامی سٹیٹ کے خیال کو ترک کر دے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان اور ہندوستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوش گوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔

اکتوبر ۱۹۴۸ء میں لیاقت علی خان (مرحوم) نے لندن میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے اور ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ وہ ان اصولوں پہ قائم کی جائے گی جو ہمیں اسلام نے سکھائے ہیں۔ (ہندوستان ٹائمز، ۴۸-۱۰-۲۵)

اس پہ اسی اخبار نے اپنی ۲۸ / اکتوبر کی اشاعت کے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھا کہ

تقسیم ہند کے وقت سے ہندوستان کے نیتاؤں نے اس امر کا اعلان کر رکھا ہے کہ ہندوستان میں سیکولر حکومت ہوگی لیکن سرحد کے اس پار کے لیڈر پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اسلامی سٹیٹ ہوگا ..... چنانچہ ابھی پچھلے دنوں مسٹر لیاقت علی خان نے کہا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی سٹیٹ ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ہندو اس اسلام کے تو تحفظ کی ضمانت دیتا تھا جسے علماء پیش کرتے تھے لیکن اس اسلام کے تصور تک سے اس کے سینے پر سانپ لوٹتے تھے جس کے نفاذ کے لئے مملکت پاکستان (کا پہلے مطالبہ کیا گیا تھا اور بعد میں یہ) وجود میں آگئی تھی۔ اس قسم کی مملکت کی مخالفت میں ہندو کس حد تک جانے کی سوچ رہا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب تقسیم ہند کا فیصلہ ہوگیا تو کانگریس کی طرف سے پنڈت جواہر لعل نہرو ایک طرف اس فیصلہ پہ دستخط کر رہے تھے اور دوسری طرف اپنی قوم سے کہہ رہے تھے کہ

ہماری سکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت مسٹر جناح کو پاکستان بنا لینے دیں اور اس کے بعد معاشی طور پر یا دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کرتے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جُھک کر ہم سے درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں مدغم کر لیجئے۔

(PAKISTAN FACES INDIA ———— P. 99)

اسے پھر ذہن میں رکھئے کہ (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) ہندو کو مسلمانوں کی ایک الگ مملکت بنانے پر کوئی خاص اعتراض نہیں تھا۔ انہیں اعتراض تھا تو اس پر کہ وہ مملکت (اقبال اور جناح کے تصور کے) اسلام کے تقاضا کا ذریعہ ہوگی۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں عبرت آموز شکست کھانے کے بعد اُس زمانے کے (ہندوستان کے) وزیر دفاع مسٹر چوہان نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اسی دن سے مخاصمت کی بنیاد رکھ دی گئی تھی جس دن پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان آئیڈیالوجی کا اختلاف ہے۔ اس کے سوا کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ اختلاف اور دشمنی مہینے یا ہفتے بھر کی نہیں، بلکہ سالہا سال تک رہے گی۔ بھارت کو اس کے لئے ایک تازہ اور فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بھارت نے بہت بڑا جشن منایا تھا اور وہاں کی پارلیمان نے اس کامیابی پر مسز گاندھی کی خدمت میں ہدیۂ مبارک باد پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں مسز گاندھی نے جو کچھ کہا تھا وہ ہندو ذہنیت کی پوری پوری غمازی کرتا ہے۔ اُس نے کہا تھا۔

یہ کامیابی، نہ ہماری فوجوں کی کامیابی ہے اور نہ ہی حکومت کی کامیابی۔ یہ کامیابی ہے حق پر مبنی نظریہ کی اس نظریہ کے خلاف جو باطل پر مبنی تھا مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی بنیاد ایک باطل نظریہ پر رکھی تھی ہم انہیں بار بار سمجھاتے رہے کہ ان کا نظریہ غلط ہے یہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے نہ مانا اور اپنی ضد پر قائم رہے۔ اب پچیس سال کے تجربہ نے بتا دیا ہے کہ جو کچھ ہم کہتے تھے وہ حق تھا اور ان کا نظریہ باطل۔ یہ ان کے باطل نظریہ کی شکست ہے۔

یہ (مسز گاندھی کے بقول) باطل نظریہ کیا تھا؟ یہی کہ مملکت کی بنیاد (اقبال اور جناح کے تصور کے) اسلام پر رکھی جائے گی۔

مرحوم مودودی صاحب کی طرف سے مخالفت

مطالبۂ پاکستان کی سب سے زیادہ شدید مخالفت سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) کی طرف سے ہوتی تھی۔ اس موضوع پر طلوعِ اسلام میں گزشتہ تیس پینتیس سال میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ اس کے دُہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ (طلوعِ اسلام نے تو بلکہ ۱۹۴۰ء میں ان کی مخالفت کی تھی)۔ ان کا اندازِ مخالفت، نیشنلسٹ علماء سے مختلف تھا لیکن اقبال اور جناح کے پیش کردہ اسلام کو وہ بھی "کافرانہ" قرار دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور تالیف۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش ـــ حصّہ سوم ـ میں لکھا تھا :-

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام رائج ہو جائے تو اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہو جائے گی ـــ ان کا گمان

غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت۔ (ص ۱۳۱ تا ۱۳۲)۔

انہوں نے اپنی مخالفت، تقسیم ہند کے زمانے تک برابر جاری رکھی۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپریل ۱۹۴۷ء میں (جب تقسیم ہند کا اصولی فیصلہ ہو چکا تھا) ٹانک، مدراس اور پٹنہ میں اپنی جماعت کے خصوصی اجلاس منعقد کئے تاکہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو مطالبہ پاکستان کے خلاف بھڑکایا جائے، چنانچہ انہوں نے اس وقت بھی تحریک پاکستان کو "غیر اسلامی" قرار دیا، اور (ان کے ایک رفیق کار) ملک نصر اللہ خان عزیز (مرحوم) نے یہاں تک کہہ دیا کہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقامتِ دین کے آغاز سے پہلے زمین کا ایک قطعہ حاصل کر لینا ضروری ہے جہاں دین کو برپا کر سکیں۔ حیرت ہے کہ یہ چیز خاصے سمجھ دار اور بظاہر معقول اور عالم دین لوگوں تک کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ ایسی باتیں وہی لوگ کہہ سکتے ہیں۔ جو یا تو سیاست اور فلسفۂ اجتماع سے کلیتہً نابلد ہیں اور محض ادھر اُدھر سے چند باتیں اور نعرے سُن سنا کر سیاسی تحریکوں میں شامل ہو گئے ہیں اور کوئی سمجھ دار آدمی موجود نہ ہونے کی وجہ سے لیڈری کے درجے کو پہنچ گئے ہیں۔ یا پھر نفس پرستی میں مبتلا اور خوفِ خدا سے آزاد ہونے کی وجہ سے ان پڑھ اور حقائق و سیاست سے ناواقف عوام کو بے وقوف بناتے ہیں تاکہ وہ ان کے چنگل سے نکلنے نہ پائیں۔ ورنہ موٹی بات ہے کہ حکومت کے قیام کے لئے آپ کو اینٹ اور گارے کی ضرورت نہیں کہ آپ قطعات زمین تاکتے پھریں۔ اس کے لئے آپ کو زمین کی نہیں بلکہ ایسی مضبوط اور منظم جماعت کی ضرورت ہے جو آپ کے پیشِ نظر نظریہ حکومت کو ماننے اور اس کے لئے مرمٹنے والی ہو۔ اگر آپ نے ایسی جماعت پیدا کر لی تو جہاں بھی وہ ہوگی وہیں وہ اس نظریہ کی حکومت قائم کرلے گی (روئداد جماعت اسلامی۔ حصہ پنجم۔ ص ۱۵۶ و ص ۱۵۷)۔

یعنی ان کے نزدیک بھی، اسلام کے نفاذ کے لئے الگ خطّہ زمین کی ضرورت نہیں تھی یہی بات نیشنلسٹ علماء کہتے تھے اور ہندو بھی یہی چاہتا تھا۔

آپ نے دیکھا کہ تحریک پاکستان کے دوران بنیادی وجہ نزاع کیا تھی؟ یہ درحقیقت اسلام کے دو تصوّرات کا ٹکراؤ تھا۔ اسلام کا ایک تصوّر یہ تھا کہ حکومت کسی قسم کی بھی ہو اس میں اسلام پر عمل ہو سکتا ہے۔ دوسرا تصوّر یہ تھا کہ اس کے لئے الگ آزاد مملکت کا قیام لاینفک ہے۔ جس میں حکومت قرآنی خطوط پر متشکل ہو۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کی ان مذہب پرست جماعتوں کی مخالفت کے علی الرغم پاکستان کے لئے ایک قطعہ زمین حاصل ہوگیا۔ یہ ان کی شکست تھی لیکن انہوں نے اس شکست کو فتح سے بدلنے کے لئے مختلف تدابیر سوچ لیں۔ (جیسا کہ پنڈت

تشکیل پاکستان کے بعد

جواہر لعل نہرو نے اعلان کیا تھا، ہندو حکومت کے یہ ارادے تھے کہ سیاسی اور عسکری سطح پر ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن سے مملکت پاکستان کا (خاکم بدہن) وجود ہی باقی نہ رہے لیکن مذہب پرست جماعتوں نے یہ ارادہ کیا کہ یہ جداگانہ مملکت قائم رہتی ہے تو رہے، لیکن اس میں اقبال اور جناح کے تصوّر کا اسلام نافذ نہ ہونے پائے۔ اسلام وہی نافذ ہو جس کے علمبردار علماء حضرات ہیں۔ اس مقصد کے

حصول کے لئے ضروری تھا کہ یہ تمام جماعتیں پاکستان آجائیں اور یہاں اپنے تصور کے نفاذ کی کوشش کریں۔ چنانچہ تشکیلِ پاکستان کے ساتھ ہی یہ سب ہجوم کرکے اِدھر آگئے۔ ہندوستان سے پاکستان کی طرف آنے والے مسلمان عوام بیچارے تو لاکھوں کی تعداد میں قتل ہوگئے۔ ان کے قافلے لوٹے گئے۔ ان کی عصمتیں برباد ہوگئیں۔ یہ تباہ اور برباد ہوگئے لیکن مذہب کے علمبردار حضرات امن و امان سے بحفاظت اِدھر منتقل ہو گئے۔

ہم نے شروع میں کہا ہے کہ حقیقی اسلام کے نفاذ سے ہندو ہی لرزاں و ترساں نہیں تھا۔ مغرب کی سرمایہ پرست اور سیکولر نظام کی حامی اقوام بھی اس سے خائف تھیں۔ اس لئے ان کی بھی یہی کوشش تھی کہ (اوّل تو پاکستان بنے ہی نہ، اور

اقوامِ مغرب کی طرف سے مخالفت

اگر یہ بن بھی جائے تو یہاں) اقبالؒ اور جناحؒ کے تصور کا حقیقی اسلام نافذ نہ ہونے پائے۔ اقبالؒ نے جب پاکستان کا تصور دیا تھا تو اس کی نگاہِ بصیرت نے اس خطرے کو بھی بھانپ لیا تھا۔ ان کی آخری تصنیف 'ارمغان حجاز' میں ایک نہایت شگفتہ اور بلیغ نظم ہے جس کا عنوان ہے۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ۔ اس میں انہوں نے بڑے دل کش محاکاتی (ڈرامائی) انداز میں، ان اقوام کے اس خطرہ کو بے نقاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کے ازالہ کے لئے انہوں نے کیا سوچا ہے۔ انداز اس نظم کا یہ ہے کہ ابلیس اپنی کابینہ کی میٹنگ منعقد کرتا ہے جس میں ہر شعبے کا مشیر اپنی اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کرتا ہے کہ اس نے مختلف اقوام کو ابلیسی راستوں پہ ڈالنے کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ صدرِ مجلس، ابلیس، ان رپورٹوں کو بڑی توجہ سے سُنتا ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ تم نے جن تحریکوں کو ابلیسی پروگرام کے راستے کی رکاوٹ بتایا ہے مجھے ان میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ ان کے برعکس ؎

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمّت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

تم نے سب سے زیادہ زور اس پہ دیا ہے کہ کمیونزم میں نہیں بڑا خطرہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن تمہاری نگاہ حوادثِ عالم کی سطح پہ ہے۔ اور

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

جب ابلیس نے کہا تھا کہ اسے درحقیقت خطرہ اُمّتِ مُسلمہ سے ہے تو اس کے مشیروں میں کچھ چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں اس پہ اس نے کہا کہ تمہارے دل میں جو شکوک اُبھر رہے ہیں مجھے ان کا احساس ہے۔

جانتا ہوں میں یہ اُمّت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں — بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

میں یہ سب جانتا ہوں:

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

وہ شرعِ پیغمبرؐ۔ یعنی قرآنی نظام، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ: [

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے　　نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب!　　پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب　　یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں!

اسے اچھی طرح یاد رکھو کہ تمہارے لئے کرنے کا کام ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات　　ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات!

انہوں نے کہا کہ اس کے لئے کرنا کیا چاہئے؟ اس نے کہا کہ یہ قوم بڑی مذہب پرست واقع ہوئی ہے، اس لئے اس سے مذہب کا چھڑا دینا مشکل ہے۔ قرآن ان کے ہر گھر میں ہوتا ہے۔ انہیں کھلے بندوں اس سے بیگانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے لئے بڑے پُر فریب حربہ کی ضرورت ہوگی، اور وہ یہ کہ ان میں نظری مسائل کی بحثیں چھیڑ دو۔

ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے　　یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

اور اس طرح:۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے　　تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام　　چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

پھر سُن رکھو کہ

ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں　　ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

اس خطرہ سے محفوظ و مامون رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے　　پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

اس سے مُراد صرف تصوف کی خانقاہیت نہیں۔ وہ مذہب بھی ہے جس کی علمبردار ہماری مذہبی پیشوائیت ہے۔

علامہ اقبالؒ نے پاکستان کا تصوّر دینے کے ساتھ ہی اس خطرہ سے بھی آگاہ کر دیا جو اسے پیش آنے والا تھا۔ یعنی نظامِ سرمایہ داری کی حامل اقوامِ مغرب (جنہیں بغرضِ تعارف امریکن بلاک کہا جاتا ہے) کی طرف سے اس کی مخالفت اس بلاک کی ابلیسیت کا یہ عالم ہے کہ خود ابلیس نے بحضور رب العزت درخواست کی تھی کہ مجھے اب ریٹائر کر دیجئے، کیونکہ

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست　　باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

اس بلاک کے پیشِ نظر دو مقصد تھے۔ ایک کمیونزم کے سیلاب کی روک تھام۔ اور دوسرے پاکستان میں اس اسلامی نظام کو قائم نہ ہونے دینا جس کی خاطر اسے حاصل کیا گیا تھا اور جس میں اس بلاک کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت کو اپنا آلہ کار بنانا ضروری تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ روس کے بڑھتے ہوئے خطرہ کی روک تھام کے لئے امریکہ نے مسلمانانِ عالم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ

دُنیا کے خدا پرستو! آؤ۔ ہم متحد ہو کر اس الحاد اور بے دینی کا مقابلہ کریں۔

جب ۱۹۷۶ء میں پاکستان میں سیرت کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں یونیورسٹی آف ایڈنبرا کے شعبۂ اسلامیات کے پروفیسر ڈبلیو منٹگمری۔ واٹ، بھی شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے ۶ مارچ ۱۹۷۶ء کو اپنے خطاب کے دوران کہا تھا کہ

اس وقت نوعِ انسانی اخلاقی اور ثقافتی سطح پر ایک نہایت نازک صورتِ حال سے دوچار ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے فرزندانِ توحید کی طرف سے زیادہ سے زیادہ تبلیغ میسّر آسکے تاکہ عیسائی اور مسلمان اپنے مشترکہ دشمن "الحاد" کے خلاف مل کر جہاد کر سکیں۔ (نوائے وقت۔ لاہور۔ مورخہ، مارچ ۱۹۷۶ء)

اس "زیادہ سے زیادہ تبلیغ" کے لئے اس بلاک نے کیا کچھ کیا اس کے متعلق ہم آگے چل کر تفصیل سے بتائیں گے جہاں فنڈامینٹلزم کی تحریک کا ذکر آئے گا۔ سردست آپ "الحاد و بے دینی کے خلاف جہاد" کو دیکھیئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ الحاد اور بیدینی کی مخالفت مسلمانوں کا فریضہ ہے لیکن قرآن تو روس کے انکارِ خدا اور اقوامِ مغرب کے اقرارِ خدا دونوں کو یکساں قرار دیتا ہے، اور دونوں سے اُس خدا پر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے جس کا تصوّر قرآن نے پیش کیا ہے لیکن ہماری مذہبی پیشوائیت نے اس میں فرق کیا اور روس کی لادینی کی مخالفت کو اپنا دینی فریضہ قرار دے لیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ (روس کی لادینی پر اس کا کچھ اثر پڑا ہو یا نہ) مذہبی پیشوائیت کی طرف سے جس قدر یہ جہاد زور پکڑتا گیا، مغربی بلاک کا نظامِ سرمایہ داری اس نسبت سے مستحکم ہوتا گیا۔ یہ اس بلاک کا پہلا مقصد تھا۔ اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ پاکستان میں اس اسلام کا نفاذ نہ ہونے پائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مذہبی جماعتوں کا تعاون ضروری تھا۔ اس سلسلہ میں (کالعدم) جماعت اسلامی کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ اس زمانے میں تو اس قسم کی خبروں کو کسی نے چنداں درخورِ اعتنا نہ سمجھا لیکن اب جو ماضی کے ان واقعات پر نگہ بازگشت ڈالتے ہیں تو نظر آجاتا ہے کہ اس جماعت کے امریکن بلاک کے ساتھ شروع ہی سے روابط قائم تھے۔ (مثلاً) روزنامہ امروز (لاہور) کی یکم دسمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں یہ خبر درج تھی کہ

> امریکن سفارت خانہ کے پروفیسر ڈاکٹر ویلکر نے گورنمنٹ کالج میانوالی کے طلبا کو لیکچر دیئے جن میں کمیونزم کی مخالفت تھی۔ ان کے ساتھ جماعت اسلامی، لاہور کے راہ نما بھی آئے تھے۔ اور مقامی امیر مولانا گلزار احمد تھے۔ (بحوالہ امروز۔ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۷۶ء)۔

یہ ۱۹۵۲ء کا ذکر ہے۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت پاکستان نے امریکہ کے ساتھ اپنے روابط مستحکم کرنے کا فیصلہ کیا تو (مرحوم) مودودی صاحب نے لاہور اور کراچی میں پبلک جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے، کھُلے الفاظ میں کہا:۔

> اگر یہ (امریکن) بلاک فی الواقعہ چاہتا ہے کہ کمیونزم کی روک تھام کے لئے اسے مسلم عوام کا دلی تعاون حاصل ہو تو اسے اپنی بنیادی پالیسی میں بنیادی تغیر کرنا پڑے گا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسے مسلم بلاک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام کا تعاون حاصل کرنا ہے۔ یہ اس کے سوچنے کا کام ہے کہ اسے کونسی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اسے حکمرانوں کی ضرورت ہے جو عوام پر سطحی اثر بھی نہیں رکھتے یا عوام کے تعاون کی ضرورت ہے جو طاقت کا اصلی سرچشمہ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ مسلمان ملکوں کے ساتھ آپ کی جو پالیسی اب تک چلی آرہی ہے وہ ایسی ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے عوام کا دلی تعاون آپ کو حاصل ہو۔ (جماعت اسلامی کا ترجمان اخبار تسنیم بابت ۱۶، ۹، ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء)

ظاہر ہے کہ اس بلاک کو مسلم عوام کا تعاون ان کے نمائندوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔

ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ یہ روابط قائم ہوئے یا نہیں، اور اگر قائم ہوئے تو ان کی نوعیت کیا تھی، البتہ یہاں اس

قسم کی چہ میگوئیاں ہوتی رہیں کہ امریکہ کی طرف سے یہاں کی مذہبی جماعتوں کو مالی امداد ملتی ہے۔ حتیٰ کہ (اُس زمانہ کی) نیشنل عوامی پارٹی کے جائنٹ سیکرٹری محی الدین احمد صاحب نے ڈھاکہ کے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ 'جماعت اسلامی' کو سی۔ آئی۔ اے کی طرف سے حال ہی میں ساٹھ لاکھ روپیہ ملا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ غلافِ کعبہ تیار کرانے کے بہانے ... پچیس لاکھ روپیہ ہضم کر گئی ہے۔ (بحوالہ روزنامہ امروز۔ مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۶۷ء) ۔ اسی سلسلہ میں مؤقر جریدہ 'چٹان' لاہور نے اپنی ۱۵ مئی ۱۹۶۷ء کی اشاعت کے اداریہ میں لکھا:-

"غیر ملکی حکومت سے گفتگو کرنے اور اس کے ساتھ روابط پیدا کرنے کا حق صرف اس ملک کی حکومت کو ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک کی کوئی جماعت اپنے طور پر یہ اقدام کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی نہیں، بلکہ کسی اور ملک کی گماشتہ ہے۔

(۱)

اسلام نافذ کرو کا نعرہ

ہم اس سوال کے سیاسی گوشے سے قطع نظر کرتے ہوئے، اس گوشے کی طرف آتے ہیں کہ جن مذہبی جماعتوں نے مطالبہ پاکستان کی اس قدر مخالفت کی تھی انہوں نے یہاں "اسلام نافذ کرنے" کے سلسلہ میں کیا کیا۔ انہوں نے یہاں آتے ہی یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس لئے یہاں سب سے پہلا کام اسلام کے نفاذ کا ہونا چاہیئے۔ اور یہ کام ہم ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ ان سے کسی نے نہ پوچھا کہ آپ یہاں کون سا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں؟ وہ اسلام جس کا تصوّر اقبال اور قائداعظم نے پیش کیا تھا، یا وہ اسلام جسے آپ پیش کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے وہی اسلام نافذ کرنا تھا، جسے یہ وہاں پیش کرتے تھے اور جس سے پاکستان کی جُداگانہ مملکت کا جواز ہی باقی نہیں رہتا تھا۔ انہوں نے جب اپنے مطالبہ پر زیادہ زور دیا تو اعتراض یہ ہوا کہ آپ میں تو اس قدر فرقے ہیں جن میں اس قدر باہمی اختلاف ہے۔ اس لئے یہاں کون سا اسلام نافذ کیا جائے! اگر آپ کوئی متفق علیہ فارمولا متعین کر سکیں تو اس باب میں پیش رفت ہو سکے۔ اس اعتراض کے جواب میں انہوں نے ۱۹۵۱ء میں مختلف فرقوں کے نمائندگان پر مشتمل (۳۱) علماء کی کانفرنس منعقد کی جس میں قانون سازی کے سلسلہ میں حسب ذیل فارمولا پیش کیا گیا:-

(۱) پرسنل لاز ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں گے۔ اور

(۲) ملک کے قوانین 'کتاب و سنّت' کے مطابق مرتب کئے جائیں گے۔

یہ بہت بڑا مقدس فریب تھا جو قوم کو دیا گیا۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ ملکی قوانین کا کوئی ضابطہ مرتب ہو ہی نہ سکے۔ تفصیل اس اجمال کی بڑی معنی خیز ہے۔ جہاں تک 'کتاب' کا تعلق ہے، اس سے مراد قرآن مجید ہے جو سب فرقوں کے نزدیک مسلّم ہے۔ لیکن 'سنّت' کی یہ کیفیت نہیں۔ یہی نہیں کہ ہر فرقہ کی سنّت الگ الگ ہے۔ سنّت کہتے کسے ہیں، اس میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ اور شدید اختلاف۔ کانفرنس میں پاس کردہ فارمولا (کتاب و سنّت) پر دستخط کرنے والوں میں، سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) اور مولانا محمد اسماعیل سلفی (مرحوم) اور مرکزی جماعت اہلِ حدیث، سرفہرست تھے۔ 'سنّت' کی (DEFINITION) کے متعلق ان میں جو بحث چلی، وہ

مولانا مرحوم کی طرف سے شائع کردہ کتاب "جماعتِ اسلامی کا نظریہ حدیث" میں بالتفصیل درج ہے۔ اس کے نمایاں اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔ اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک جس کے نمائندہ مولانا سلفی (مرحوم) تھے۔ صحیح احادیث میں جو کچھ آیا ہے، وہ سب کا سب سنت ہے۔ اس کے برعکس، مودودی صاحب (مرحوم) کے نزدیک:۔

مودودی صاحب کے نزدیک

سنت اس طریقِ عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبیؐ نے بہ حیثیت ایک انسان ہونے کے، یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دَور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کئے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں یہ فرق اور امتیاز کرنا کہ اس عمل کا کونسا جزو سنت ہے اور کونسا جزو عادت، بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔۔۔۔ تمدن و معاشرت کے معاملات میں ایک چیز وہ اخلاقی اصول ہیں جنکو زندگی میں جاری کرنے کے لئے نبیؐ تشریف لائے تھے اور دوسری چیز وہ عملی صورتیں ہیں جن کو نبیؐ نے ان اصولوں کی پیروی کے لئے خود اپنی زندگی میں اختیار کیا۔ یہ عملی صورتیں کچھ تو حضورؐ کے شخصی مذاق اور طبیعت کی بِنا پر مبنی تھیں کچھ اس ملک کی معاشرت پر جس میں آپ پیدا ہوئے تھے۔ اور کچھ اس زمانے کے حالات پر جن میں آپ مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی تمام اقوام اور تمام لوگوں کے لئے سنت بنا دینا مقصود نہ تھا۔

(رسائل و مسائل۔ حصہ اوّل. ص۱۳۰ تا ص۱۳۱)

اسی کتاب میں وہ صفحہ ۱۳۱ پر لکھتے ہیں:۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضورؐ کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرزِ معاشرت اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو سنت بنانا نہ تو مقصود تھا نہ اس کی پیروی پر اس دلیل سے اصرار کیا جا سکتا ہے کہ حدیث کی رُو سے اس طرز خاص کا لباس نبیؐ پہنتے تھے اور نہ شرائع الٰہیہ اس غرض کے لئے آیا کرتی ہیں کہ کسی خاص شخص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا بھر کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنت بنا دیں۔ سنت کی اس مخصوص تعریف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاحِ شرعی میں سنت نہیں ہیں ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے لینا منجملہ ان بدعات کے ہے جن سے نظامِ دینی میں تحریف واقع ہوتی ہے۔

یعنی اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک صحیح حدیث میں جو کچھ آیا ہے وہ سب کا سب سنتِ رسولؐ اللہ کے دائرے میں شامل ہے اور اس سے انکار کرنا کفر ہے۔ لیکن مودودی صاحب کے نزدیک صحیح احادیث میں سے وہ باتیں سنت کے دائرے میں داخل نہیں جنھیں نبی اکرمؐ نے اپنی بشری حیثیت سے عادتاً اختیار کیا تھا۔ اگر کوئی شخص ان باتوں کو بھی سنت قرار دے تو اس کے متعلق مودودی صاحب کا ارشاد تھا کہ

میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریفِ دین ہے جس سے نہایت بُرے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔ (ایضاً ص۲۰۳)

اس سے ذرا پہلے لکھتے ہیں :

جو امور آپؐ نے عادتاً کئے ہیں انہیں سنّت بنا دینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کر لیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہرگز یہ منشا نہ تھا - یہ دین میں تحریف ہے - (ایضاً - صفحہ ۳۱)

اس پر اعتراض یہ وارد ہوا کہ احادیث کے مجموعوں میں تو اس کی تصریح کہیں درج نہیں کہ حضورؐ نے فلاں بات بہ حیثیت رسولؐ فرمائی (یا کی) تھی اور فلاں بات بشری حیثیت سے - تو (مودودی صاحب کے اصول کے مطابق) سُنّت کو متعین کیسے کیا جائے گا - اسے کون متعین کرے گا اور اس کے سُنّت ہونے کی سند کیا ہوگی؟ اس کے جواب میں مودودی (مرحوم) نے کہا کہ ایسے معاملات کا فیصلہ سند اور دلیل کی رُو سے نہیں ہوا کرتا - اس کا فیصلہ وہ شخص کر سکتا ہے :-

جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو - کثرتِ مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہؐ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے ..... اس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے ..... اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد وہ اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا - وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا - وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے - اس لئے کہ اس کی نظر اسناد پتھر کے اندر ہیرے کی جوت کو دیکھ لیتی ہے - اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند، مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے - اس لئے کہ اس جامِ زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے - وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبویؐ کے مناسب نظر نہیں آتی - (تفہیمات - حصہ اوّل - صفحہ ۳۰۲ تا صفحہ ۳۲۴)

مولانا اسماعیل (مرحوم) نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا :-

اگر ایک جماعت اپنی عقیدت مندی سے کسی اپنے بزرگ یا قائد کو خدا کا مزاج شناس سمجھ لے یا رسولؐ کا مزاج شناس تصوّر کر لے - پھر اسے اختیار دے دے کہ اصولِ محدثین کے خلاف جس حدیث کو چاہے قبول کر لے جسے چاہے رَد کر دے، یا کوئی عالم یا قائد بلا وجہ کسی موضوع یا ضعیف، مرسل یا منقطع حدیث کے متعلق یہ دعوےٰ کر دے کہ میں نے اس میں "ہیرے کی جوت" دیکھ لی ہے - تو یہ مضحکہ انگیز پوزیشن ہمیں یقیناً ناگوار ہے - ہم انشاء اللہ آخری حد تک اس کی مزاحمت کریں گے اور سُنّتِ رسولؐ کو ان ہوائی حملوں سے بچانے کی کوشش کریں گے -

(جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث - صفحہ ۶۳)

ظاہر ہے کہ جب سُنّت کی (DEFINITION) میں اختلاف کا یہ عالم ہے تو سُنّت کا وہ مجموعہ کہاں سے مل سکے گا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر سُنّت تسلیم کرتے ہوں! ان حالات میں آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ ۱۹۵۱ء میں (۳۱) علماء نے جو متفق علیہ مطالبہ پیش کیا تھا کہ ملکی قوانین کتاب و سُنّت کے مطابق مرتب ہوں) وہ کہاں تک قابلِ عمل تھا؟ اس کے باوجود یہ حضرات (مودودی مرحوم سمیت) بیس سال تک یہ مطالبہ پیش کرتے رہے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کتاب و سنت کے مطابق مرتب ہونے چاہئیں - تا آنکہ (۱۹۷۰ء میں) خود مودودی (مرحوم) کو اعلان کرنا پڑا :-

کتاب و سنّت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں ہے جو پبلک لاز کے معاملہ میں حنفیوں، شیعوں اور اہلِ حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔ (جماعت اسلامی کا ترجمان "ایشیا" ۲۳ اگست ۱۹۷۰ء)

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ خیال ابھرا ہوگا کہ جب مودودی (مرحوم) نے محسوس کیا کہ یہ سنّت کے پیدا کردہ اختلافات ہیں جن کی وجہ سے ایک متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا، تو انہوں نے تجویز کیا ہوگا کہ قانون سازی کا مدار قرآن کو قرار دے دیا جائے کیونکہ اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن توبہ کیجئے، وہ ایسا کس طرح کر سکتے تھے؟ قرآن کے تو نام سے ان حضرات کو چڑ ہے کیونکہ اس سے ان کا رچایا ہوا سارا کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کو قرآن کے نام سے کس قدر چڑ ہے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے۔ دو سال اُدھر کی بات ہے، سعودی عرب نے اپنے ہاں ایک نیا دستور رائج کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے (کالعدم) جماعت اسلامی کے ترجمان "ایشیا" نے اپنی ۱۳ اپریل ۱۹۸۰ء کی اشاعت کے اداریہ میں لکھا:-

> ایک اور بات کی جانب بھی ہم توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ خبر ہے کہ شہزادہ نائف نے کہا ہے کہ سعودی عرب کا آئین قرآن کریم ہوگا۔ بلاشبہ اس سے ان کا دستور قرآن و حدیث سے منقطع نہیں ہے۔ لیکن زیادہ مناسب ہوگا کہ سعودی عرب کا جو بھی دستور بنے اس میں کتاب کے ساتھ سنّت کا لفظ ضرور موجود ہو۔

مقصد اس سے یہی تھا کہ اسلامی مملکت کی جس اسکیم کو ہم یہاں ناکام بنا چکے ہیں۔ وہ کہیں سعودی عرب میں کامیاب نہ ہو جائے۔

بہرحال جب مودودی (مرحوم) نے کہا کہ کتاب و سنّت کی رُو سے کوئی متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا تو ان سے پوچھا گیا کہ پھر پاکستان میں اسلامی قوانین کے سلسلہ میں کیا کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں فقہ حنفی رائج کر دی جائے۔ یعنی وہ فقہ جس کے متعلق ان کے اپنے نظریات یہ تھے:-

۱۔ مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو، زمان و مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا۔ نہ اُس کی نظر تمام ازمنہ و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے تمام اجتہادات کا تمام زمانوں میں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔

(تفہیمات۔ حصہ دوم۔ ایڈیشن ۱۹۵۱ء۔ ص ۴۲۶)

۲۔ یہ سلف کون سے انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے۔ (ایضاً)

۳۔ بزرگانِ سلف کے اجتہادات نہ تو اٹل قانون قرار دیئے جا سکتے ہیں اور نہ سب کے سب دریا بُرد کر دینے کے لائق ہیں۔ صحیح اور معتدل مسلک یہی ہے کہ ان میں ردّ و بدل کیا جا سکتا ہے۔

(رسائل و مسائل۔ جلد دوم۔ ایڈیشن ستمبر ۱۹۶۴ء۔ ص ۲۸۲)

۴۔ دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ (ترجمان القرآن۔ محرم ۱۳۶۰ھ)

۵۔ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں ان میں سے کسی کی تحقیق کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا۔ اور جب میں ان کے بیانات

سے اطمینان نہیں ہوتا تو خود غور و فکر کر کے رائے قائم کرتا ہوں۔

(رسائل و مسائل - حصہ دوم، ایڈیشن ستمبر ۱۹۶۶ء - ص ۱۶)

۶۔ میں نہ مسلکِ اہلِ حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں۔

(رسائل و مسائل، حصہ اول، ستمبر ۱۹۵۱ء ایڈیشن ص ۲۳۵)

۷۔ میرے نزدیک صاحبِ علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ، بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔

(ایضاً ص ۲۴۴)

۸۔ ایک صاحبِ عقل انسان کے لئے اس سے زیادہ شرمناک بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی عقیدہ کا معتقد ہو اور اس اعتقاد کے حق میں اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ ہو کہ اس کے باپ دادا بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے ... کسی چیز کے صحیح یا برحق ہونے کے لئے یہ کوئی دلیل ہی نہیں کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔

(تنقیحات - پانچواں ایڈیشن - ص ۱۵۰-۱۵۱)

۹۔ انسان خواہ سراسر اپنی رائے سے اجتہاد کرے یا کسی الہامی کتاب سے اکتساب کر کے اجتہاد کرے، دونوں صورتوں میں اس کا اجتہاد دنیا کے لئے دائمی قانون اور اٹل قاعدہ نہیں بن سکتا کیونکہ انسانی عقل اور علم ہمیشہ زمانہ کی قیود سے مقید ہوتا ہے۔

(ایضاً - ص ۱۲۱)

فقہ کے متعلق مودودی صاحب کے ان نظریات کے ساتھ اُن کے اس مطالبہ کو بھی پیشِ نظر رکھئے کہ ملک میں فقہ حنفی رائج کر دی جائے۔

فقہ حنفی کو حنفی فرقہ کے سوا کوئی فرقہ بھی من و عن اسلامی تسلیم نہیں کرتا۔ مذہب سے عدم دلچسپی کی انتہا ہے کہ جب مودودی (مرحوم) نے یہ تجویز کیا کہ ملک میں فقہ حنفی رائج کر دی جائے، تو کسی نے ان سے یہ نہ پوچھا کہ آپ نے کتاب و سنت کے فارمولا کو اس لئے مسترد قرار دے دیا تھا کہ اس کی رُو سے کوئی ضابطہ قوانین ایسا مرتب نہیں ہو سکے گا جسے تمام فرقے اسلامی تسلیم کر لیں، تو جو ضابطۂ قوانین فقہ حنفی کے مطابق مرتب ہوگا، کیا اُسے تمام فرقے اسلامی تسلیم کر لیں گے؟ کسی نے ان سے یہ نہ پوچھا۔ حتیٰ کہ ان مذہبی فرقوں نے بھی، جو چھوٹے چھوٹے (فروعی) مسائل کے اختلافات پر حنفیوں سے اُلجھتے رہتے ہیں اور ان کے اختلافی جھگڑے پولیس اور عدالتوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ خود حکومت نے بھی اس سوال کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور فقہ حنفی کو قانون سازی کا مدار تسلیم کر لیا۔ اس بے اعتنائی کا نتیجہ جلد ہی سامنے آ گیا۔ جب زکوٰۃ سے متعلق قانون پبلک لا کی حیثیت سے نافذ کیا گیا تو شیعہ حضرات کی طرف سے اس کے خلاف ایسا شدید عملی احتجاج ہوا کہ حکومت کو یہ قانون بدلنا پڑا اور ہر فرقہ کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کرے۔ (قرآنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی ابتداء ہی نہیں دی گئی) یہ حشر ہوا پہلے ہی پبلک لا کا۔ جہاں تک سزاؤں (حدود) سے متعلق نافذ کردہ قوانین کا تعلق ہے خود صدرِ مملکت نے ایک سے زیادہ بار اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ ناممکن العمل ہیں۔ حدود آرڈیننس کے نفاذ کے چند ہی روز بعد صدرِ مملکت نے امریکہ کی (C.B.S) کی ٹی وی ٹیم کو ایک انٹرویو دیا تھا جس میں ان کے اس اعتراض کے جواب میں کہ یہ سزائیں بڑی وحشتناک ہیں) کہا تھا کہ:

یہ ٹھیک ہے لیکن میں اس کی وضاحت اس طرح کروں گا۔ اسلام سزا کے بجائے تخویف پر زور دیتا ہے۔ اگر آپ

ناممکن العمل

اس فلسفہ پر نگاہ رکھیں گے جو ان سنگین سزاؤں کے پیچھے کارفرما ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اُس قانونِ شہادت کی رُو سے جس کا نفاذ کیا جا رہا ہے، ایک فی ہزار مجرموں کو بھی سزائیں نہیں دی جا سکیں گی۔

(پاکستان ٹائمز۔ ۱۹ فروری ۱۹۷۹ء)

صدرِ مملکت نے، اواخر نومبر ۱۹۸۱ء میں ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے میگزین ایشیا ویک (ASIA WEEK) کو انٹرویو دیا جس میں انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ پاکستان میں شرعی حدود کے متعلق قوانین تو نافذ کر دیئے گئے ہیں لیکن ان کے مطابق کسی کو سزا نہیں مل رہی۔ فرمایا کہ :-

> یہ ٹھیک ہے۔ ایسا نہیں کیا جاتا۔ آپ لوگوں کو سنگسار نہیں کر سکتے۔ قرآنی قانون کا فلسفہ یہ ہے کہ تمہارے ہاں ایسی قوت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو ارتکابِ جُرم سے باز رکھ سکے۔ ذرا سوچو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے چار گواہ مل سکیں جو شہادت دیں کہ انہوں نے جنسی اختلاط کے وقت عملِ دخول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟ ایسا ناممکن (IMPOSSIBLE) ہے۔ (ایشیا ویک۔ بابت ۴ دسمبر ۱۹۸۱ء)۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہاں اسلام کو کس طرح ایک عضوِ معطل بنا کر رکھ دیا گیا ہے؟ اس کے باوجود چرچا کیا جا رہا ہے کہ پاکستان میں اسلام کا احیاء ہو رہا ہے۔ پاکستان کے مخالفین (اور اقبال کی نگہ دُور رس کے مطابق) اقوامِ مغرب دونوں کا یہی منشاء تھا۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مغرب کی نظامِ سرمایہ داری کی علمبردار قوتوں نے "خدا پرستوں" (یعنی مسلم اقوام) کو جو دعوتِ اتحاد و تعاون دی تھی تو اس سے کمیونزم کے سیلاب کے سامنے بند باندھنا مقصود تھا۔ مودودی (مرحوم) نے اسی لئے ان سے کہا تھا کہ تمہارا یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ تم مسلم ممالک کے حکمرانوں کے بجائے یہاں کے عوام سے رابطہ قائم کرو۔ یہ رابطہ کس طرح قائم ہوا اس کی تفصیل میں جانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ لیکن

نظامِ سرمایہ داری

مودودی (مرحوم) نے اسلام کا جو معاشی نظام پیش کیا وہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ انہوں نے نظامِ سرمایہ داری کو عین مطابقِ اسلام ثابت کرنے کے لئے کس قدر کوشش کی۔ اس نظام کو انہوں نے اپنی کتاب "مسئلہ ملکیتِ زمین" میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اس کے دو ایک اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔ وہ اس میں لکھتے ہیں :-

> اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر بھی مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی۔ جائز ذرائع سے جائز چیزوں کی ملکیت جب کہ اس سے تعلق رکھنے والے شرعی حقوق و واجبات ادا کئے جاتے رہیں، بلا حد و نہایت رکھی جا سکتی ہیں۔ روپیہ، پیسہ، جانور، استعمالی اشیاء، مکانات، سواری، غرض کسی چیز کے معاملہ میں بھی قانوناً ملکیت کی مقدار پر کوئی حد نہیں۔ پھر آخر تنہا زرعی جائیداد میں وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی بنا پر صرف اس کے معاملہ میں شریعت کا میلان یہ ہو کہ اس کے حقوقِ ملکیت کو مقدار کے لحاظ سے محدود کر دیا جائے (مسئلہ ملکیتِ زمین پہلا ایڈیشن۔ ۱۹۵۰ء۔ ص ۵۲-۵۳)

آگے چل کر اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے :-

> آخری چیز جو مسلمان مصلحین کی نگاہ میں رہنی ضروری ہے یہ ہے کہ اسلام کے حدود میں رہتے ہوئے ہم کسی نوع

کی جائز ملکیتوں پر نہ تو تعداد یا مقدار کے لحاظ سے کوئی پابندی عائد کر سکتے ہیں اور نہ ایسی من مانی قیود لگا سکتے ہیں جو شریعت کے دیئے ہوئے جائز حقوق کو عملاً سلب کر دینے والی ہوں۔ اسلام جس چیز کا آدمی کو پابند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ مال آئے جائز راستے سے آئے۔ جائز طریقے پر استعمال ہو۔ جائز راستوں میں جائے۔ اور خدا اور بندوں کے جو حقوق اس پر عائد کئے گئے ہیں وہ اس میں سے ادا کر دیئے جائیں اس کے بعد جس طرح وہ ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ اتنے مکان، اتنا تجارتی کاروبار، اتنا صنعتی کاروبار اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں اور اتنی فلاں چیز اور اتنی فلاں چیز رکھ سکتے ہو، اسی طرح وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو۔ پھر جس طرح وہ ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم صرف اسی تجارت یا صنعت یا دوسرے کاروبار کے مالک ہو سکتے ہو جسے تم براہِ راست خود کر د اور جس طرح اس نے دُنیا کے کسی دوسرے معاملہ میں ہم پر یہ قید نہیں لگائی ہے کہ تم کسی ایسے کام پر حقوقِ ملکیت نہیں رکھ سکتے ہو جس کو تم اُجرت پر یا شرکت کے طریقے پر دوسروں کے ذریعے سے کر رہے ہو، اسی طرح وہ یہ بھی نہیں کہتا کہ زمین کا مالک بھی وہی ہو سکتا ہے جو اس میں خود کاشت کرے اور یہ کہ اُجرت یا شراکت پر کاشت کرانے والوں کو سرے سے زمین پر حقوقِ ملکیت حاصل ہی نہیں ہیں۔ اس قسم کی قانون سازیاں خود مختار لوگ تو کر سکتے ہیں۔ مگر جو خدا اور رسول کے مطیع فرمان ہیں، وہ ایسی باتیں سوچ بھی نہیں سکتے۔ (ایضاً صـ ۷۲-۷۳)

یہی نظام اِس وقت یہاں رائج ہے جسے اسلامی کہنے کے لئے فقہ کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ دولت کا انبار در انبار جمع کرنا عین مطابقِ اسلام ہے بشرطیکہ اس میں سے چند پیسے بطور "زکوٰۃ" ادا کر دیئے جائیں۔ ربوٰ کا نام (جسے قرآن نے "خدا اور رسول" کے خلاف بغاوت قرار دیا ہے) منافع رکھ دیا گیا ہے، خواہ وہ بینکوں میں جمع کردہ رقوم پر ہو اور خواہ کاروبار میں (SLEEPING PARTNER) کے طور پر جس کے لئے فقہ کی اصطلاح مضاربت اختیار کر لی گئی ہے۔ زمین پر بے حد و نہایت ملکیت جائز ہے بشرطیکہ اس سے "عُشر" ادا کر دیا جائے۔ اس قسم کے منافع کو مزارعت کہہ دیا گیا ہے۔ یہ نظام سرمایہ داری کی وہ شدید شکل ہے جس میں اب خود نظامِ سرمایہ داری کی حامل اقوامِ مغرب بھی لچک پیدا کرتی جا رہی ہیں۔ یہاں اسے اسلام کے معاشی نظام کے نام سے رائج اور مستحکم کیا جا رہا ہے۔ یہی اقوامِ مغرب کا منشاء تھا۔

(۰)

فنڈامینٹل ازم

ہندو، ہماری مذہبی پیشوائیت اور اقوامِ مغرب کی یہ تثلیثی سازش آہستہ آہستہ زمین گیر ہوتی چلی گئی۔ لیکن اس کی رفتار بڑی سُست تھی اور اقوامِ مغرب یہ خطرہ محسوس کر رہی تھیں کہ ان کی یہ آہستہ خرامی رفتہ رفتہ جمود کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ اس خطرہ کے ازالہ کے لئے انہوں نے ایک نئی ترکیب سوچی۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے عہدِ ملوکیت میں وضع شدہ "اسلام" کی شراب کہن کو نئی بوتلوں میں اس طرح بند کیا جائے کہ اصلی اور نقلی میں فرق نہ کیا جا سکے۔ اس نئی تحریک کا نام انہوں نے (FUNDA MENTALISM) رکھا جس کے لغوی معنی "بنیادی اسلام" کے ہیں۔ اس تحریک کو انہوں نے اس قدر عام کیا ہے کہ مسلم ممالک میں ہی نہیں یورپ، امریکہ، کینیڈا تک میں ہر جگہ اس کی شاخیں قائم کر دی گئی ہیں، اور وہاں کے نامور مذہبی پیشوا اور قدامت پسند پیشہ وران کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے روپے کے سیلاب کے بند اس طرح کھول دیئے

ہیں کہ سب اس میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ جس اسلام کو یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہی ہے جو ہمارے دورِ ملوکیت میں وضع ہوا تھا لیکن اس کے لئے اسلوبِ بیان ماڈرن اختیار کیا جاتا ہے۔ اس سے ' ہمارا وہ طبقہ جو ' مولویوں ' سے متنفر تھا ' ان کی باتیں کان لگا کر سُنتا ہے ، حالانکہ ان کی باتیں بھی وہی ہوتی ہیں جنہیں مولوی صاحبان پیش کرتے تھے۔ اس طرح یہ تحریک روپے کے زور اور پراپیگنڈہ کے شور سے کامیاب ہو رہی ہے۔ خواص کی نگاہوں میں ' ماڈرن ازم ' کی چمک سے اس قدر خیرگی پیدا کی جا رہی ہے کہ ان میں حقیقت اور فریب میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ اور عوام کے لئے مذہب کی رسمی تقریبات کو اس قدر پُرکشش ، بارونق اور مقدّس بنایا جا رہا ہے کہ وہ سامریت کے اس دامِ ہمرنگ زمین سے نکل ہی نہیں سکتے۔

یہی تھا وہ نظام جس کی محکمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں ' شعبۂ اسلام ' کے مشیر نے کہا تھا کہ

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدّر میں سجود
آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
یہ ہماری سعیِٔ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا؟

پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں غلام
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام
صوفی و مُلّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام

(ارمغانِ حجاز ۔ صفحہ ۲۱۵ - ۲۱۶)

اور اس میں تحریکِ پاکستان کے مخالفین اور اقوامِ مغرب واقعی کامیاب ہیں۔

یاد رکھئے! جس مملکت کے قیام کا تصور اقبالؒ نے دیا تھا اور جس کے لئے قائد اعظمؒ کی سعیِ پیہم کے تصدق ایک خطۂ زمین حاصل ہوا تھا ، اسے اپنی مقصدیت کے اعتبار سے اسلامی مملکت بننا تھا۔ وہ مقصدیت یہ تھی کہ اس میں :-

مقصدیت

(۱) حقِ حکومت کسی انسان یا انسانوں کے گروہ کو حاصل نہیں ہوگا۔ حکمرانی صرف کتاب اللہ کی ہوگی۔

(۲) اس میں غلط اور صحیح۔ جائز اور ناجائز۔ اسلامی اور غیر اسلامی کی سند اور اتھارٹی قرآن مجید ہوگا۔

(۳) اس میں کسی کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا ، نہ حزن۔ خوف ہوگا تو صرف قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے مضرت رساں نتائج کا جن کا اطلاق ہر ایک پر یکساں ہوگا۔

(۴) اس میں نہ کوئی فرد رات کو بھوکا سو سکے گا۔ نہ کسی کی کوئی ضرورت رُکی رہے گی۔

(۵) اس میں امیر اور غریب۔ محتاج و غنی ۔ حاکم و محکوم کی تمیز نہیں ہوگی۔ تمام انسان یکساں واجب التکریم ہوں گے اور تذلیل و توہینِ آدمیت سنگین ترین جرم ہوگا۔

(۶) اس میں نہ نظامِ سرمایہ داری باقی رہے گا ، نہ مذہبی پیشوائیت کا وجود۔ اُمّت کے باہمی مشورہ سے نظامِ حکومت قائم ہوگا اور وہ نظام قرآن مجید میں متعین کردہ غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے ، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قواعد و ضوابط خود مرتب کرے گا۔ انہی کو احکامِ شریعت کہا جائے گا۔

(۷) اس میں ساری اُمّت، اُمّتِ واحدہ ہوگی جس میں کسی قسم کا تفرقہ نہیں ہوگا۔
یہ تھا وہ نظام جسے قائم کرنے کے لئے پاکستان کا خطۂ زمین حاصل کیا گیا تھا۔ اس کے مخالفین کی انتہائی کوشش تھی کہ اوّل تو یہ خطۂ زمین ہی حاصل نہ ہو، اور اگر حاصل ہو بھی جائے تو اس میں یہ نظام قائم نہ ہو سکے (جسے الدین کہا جاتا ہے)۔ اس کے بجائے اس مذہب کا دَور دورہ ہو جس سے انسان نہ دین کا رہتا ہے، نہ دُنیا کا۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست   یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

قائد اعظمؒ نے تحریکِ پاکستان کے دَوران کہا تھا:-

ہماری حفاظت، ہماری نجات اور عزت و آبرو (کے تحفظ کا واحد ذریعہ) پاکستان ہے۔ اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو ہم تو تباہ ہو ہی جائیں گے لیکن اس کے ساتھ ہی اس برصغیر میں نہ مسلمانوں کا وجود باقی رہے گا۔ نہ اسلام کا نام و نشان۔ (تقاریر - جلد دوم - صفحہ ۲۵۵)

اگر قائد اعظمؒ زندہ ہوتے تو وہ دیکھتے کہ پاکستان مل جانے کے بعد بھی اس اسلام پر کیا بیت رہی ہے جس کے احیاء کے لئے انہوں نے پاکستان لے کر دیا تھا۔

بہرحال، ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہم اس میں ناکام رہ گئے اور پاکستان کے مخالفین کامیاب ہو گئے۔ یہ بدقسمتی ہماری ہی نہیں، پوری کی پوری انسانیت کی بدقسمتی ہے کیونکہ پاکستان نے اس نظام کی تجربہ گاہ بننا تھا جس سے نوعِ انسان نے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنا تھا۔ اس اعتبار سے ہم اپنی بدنصیبی کے بھی ذمہ دار اور مجرم ہیں اور عالمگیر انسانیت کی بدنصیبی کے بھی ذمہ دار اور مجرم۔ ہزار سال کے بعد یہ نادرِ روزگار موقعہ ہمیں میسر آیا تھا، ہم نے اسے بُری طرح کھو دیا۔ اے وائے ما! اے وائے ما!!

جبیں را پیشِ غیر اللہ سودیم   چو گبراں در حضورِ او سرودیم
ننالم از کسے می نالم از خویش   کہ ما شایانِ شانِ تو نبودیم (ارمغانِ حجاز - صفحہ ۵۱)

مجھ سے اکثر تقاضا کیا جاتا ہے کہ میں اقبالؒ کے فارسی اشعار کا ترجمہ بھی پیش کر دیا کروں۔ میں ان اشعار کا ترجمہ کیا کروں؟ یہ تو اپنی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنا ماتم کرنا ہے۔ ہرچند کہ ماحول کی افسردگی طبیعت کو اس طرف آنے نہیں دیتی لیکن غالبؔ نے اس مفہوم کو اپنے شوخ و شنگ انداز میں جس طرح ادا کیا ہے اس سے بات سمجھ میں آجائے گی۔ اُس نے کہا ہے:-

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسدؔ   آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے!
غافل! ان مہ طلعتوں کے واسطے   چاہنے والا بھی اچھا چاہئے

جن رفعتوں اور عظمتوں کا آئینہ دار وہ اسلام تھا جس کے لئے ہمیں یہ خطۂ زمین عطا ہوا تھا اس اسلام کو نافذ کرنے والے انسان بھی اتنے ہی بلند اور عظیم ہونے چاہئیں تھے۔ ہمارے جیسے پست قامت ان بلندیوں تک پہنچنے کے قابل نہیں تھے، اس لئے ہم اس نعمتِ کبریٰ کے اہل نہیں قرار پائے۔ جو تیشۂ فرہاد اُٹھانے کی ہمت نہ رکھتا ہو، اسے جوئے شیر کیسے مل سکتی ہے؟ ہمیں اپنے اندر یہ ہمت پیدا کرنی چاہئے تھی۔ قرآن کریم نے أَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ (تم سب پر غالب آجاؤ گے) کے لئے إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ (اگر تم مومن ہو گے) کی شرط عائد کی تھی۔ ہم نے اس شرط کو پورا نہ کیا تو اس مقام تک پہنچ نہ سکے۔

مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کی تاریخ دُہرائی جا رہی ہے۔ فرعون کی غلامی میں وہ ضعف و بیچارگی کی انتہا تک پہنچ گئے تو مشیتِ خداوندی نے ان کی حالت پہ رحم کھایا اور چاہا کہ انہیں تمکن فی الارض نصیب ہو جائے۔ (۲۸/۵)۔ اس کے لئے انہیں ایک خطۂ زمین عطا کر دیا گیا۔ (قرآن کے الفاظ میں) اسے ان کے نام لکھ دیا۔ (۵/۲۱) لیکن جب وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے تو تقدیرِ امم کے اٹل قانون کی رُو سے فیصلہ ہوا کہ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ط (۵/۲۶)۔ جس زمین کا پٹہ ان کے نام لکھ دیا گیا تھا۔ اس سے انہیں محروم کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ وہ چالیس سال تک خانہ بدوشوں کی طرح صحرا نوردی کریں اور اپنے اندر تمکن فی الارض کی صلاحیت پیدا کریں۔ خدا کرے کہ ہمارے جرائم کی سزا ابدی محرومی نہ ہو۔ وقتی ہو۔ اور جس طرح بنی اسرائیل کی اُس نسل کے بعد آنے والے مؤرخ نے اُسی سرزمین میں سطوتِ داؤدیؑ اور شوکتِ سلیمانیؑ کا نظارہ کیا تھا، ہمارا آنے والا مؤرخ بھی اُس نظام کی جنّت آفرینیوں کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جس کے لئے یہ خطۂ زمین ہمیں عطا کیا گیا تھا۔ اُس کی رحمتِ بے پایاں نے، جنّت سے نکلے ہوئے آدم کو جنّت کی بازیابی کا وعدہ بھی تو دلایا تھا۔ لیکن یہ جنّت مفت میں نہیں مل جاتی تھی۔ اس کے لئے فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ (۲/۳۸) کی شرط لازم تھی۔ اس طرح حاصل کردہ جنّت کو کوئی چھین نہیں سکتا۔

آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ ۔۔۔ تا جزائے عملِ تست، جناں چیزے ہست

ہمیں یہ خطۂ زمین ملا ہی اس لیے تھا کہ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۰/۱۴)۔ "ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو؟" ہم نے جس قسم کے کام کئے اُسی قسم کا نتیجہ ہمارے سامنے آگیا۔ یہاں تو

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی

لیکن مجھے تو داستانِ بنی اسرائیل کو اپنے حال پہ منطبق کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ ان کے متعلق قرآن نے بتایا ہے کہ اس کی تمکن فی الارض سے عارضی محرومی کے بعد، نئی نسل کے نوجوان (حضرت) موسیٰؑ پہ ایمان لے آئے اور ان کے جوشِ کردار نے مخالفت کے ہر بند کو توڑ کر تمکن حاصل کر لیا۔ لیکن ہماری نئی نسل کو تو اس مقام پہ پہنچا دیا گیا ہے جہاں وہ اسلام کے نام تک سے متنفر ہو رہی ہے۔ اس کا اگلا قدم سیکولرزم ہوگا۔ اُس وقت بھارت کا ہندو، مسلمانوں کی وہ تمام جماعتیں جنہوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ اور اقوامِ مغرب اپنی اس کامیابی پہ جشنِ مسرت منائیں گی کہ :-

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

اس سے اُن کے دل پر کیا گزرے گی جنہوں نے اس خطۂ زمین میں قرآنی نظام کا خواب دیکھا تھا اس کی بابت مت پوچھئے۔

خدا عدو کو بھی یہ خوابِ بد نہ دکھلائے!

لیکن اس کے باوجود، جب تک میرے دم میں دم ہے میں قرآن کی آواز بلند کئے جاؤں گا کہ میرے سامنے اُس کا یہ وعدہ موجود ہے جو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، کہ اس نظام کو دُنیا کے ہر نظام پہ غالب آ کر رہنا ہے — یہاں نہ سہی کہیں اور سہی۔

محفلِ ما بے مے و بے ساقی است ۔۔۔ سازِ قرآں را نواہا باقی است

زخمہ ما بے اثر افتد اگر ۔۔۔ آسماں دارد ہزاراں زخمہ ور

حق اگر از پیشِ ما بردارد ش   پیشِ قومے دیگرے بگذاردش
ترسم از روزے کہ محرومش کنند
آتشِ خود بر دلِ دیگر زنند   (جاوید نامہ ص ۱۹)

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک ضابطۂ حیات قرار دیا ہے۔ اس لئے اس کا نظام نہ کسی خاص خطۂ زمین سے وابستہ ہے، نہ کسی خاص قوم تک محدود، اور نہ کسی خاص زمانے سے مختص۔ جو قوم، جس ملک اور جس زمانے میں بھی اس کے حقائق پر علم و بصیرت اور عقل و فکر کی رُو سے غور کر کے انہیں اختیار کرلے گی وہ اس سے فیض یاب ہو جائے گی۔ مذہب پرست قومیں، جو اپنی خوش فہمیوں میں مست اور توہم پرستیوں میں مطمئن رہتی ہیں ان کے حصے میں یہ سعادت نہیں آسکے گی۔ دانش ورانِ مغرب، اپنے موجودہ نظامِ حیات سے تنگ آکر ایک نئی دُنیا اور اس میں ایک جدید نظام کی تلاش میں ہیں۔

ایک ایسی دُنیا جس میں نہ کرۂ ارض پر کھینچی ہوئی ممالک کی لکیریں ہوں اور نہ ہی قوموں کے خود وضع کردہ حدود۔ یہ وہ دُنیا ہوگی جس میں انسان جہاں جی چاہے آزادانہ چلے پھرے۔ رہے سہے، اور ہر جگہ یکساں شرائط پر اپنے لئے مسرت حاصل کرسکے۔ سیاسی طور پر اس سے مُراد ساری دُنیا کی واحد حکومت ہوگی جو جمہوری طور پر تمام انسانوں کے باہمی مشورہ سے اپنا کاروبار سرانجام دے گی۔ ہم اپنی روح کے مذہبی نشیمن میں کسی اسی قسم کی حسین دُنیا کا تصوّر محسوس کرتے ہیں جس میں کامل ہم آہنگی اور یک جہتی ہو۔

(BEYOND THE WELFARE STATE, BY, GUNNER MYRDAL)

یہ دُنیا ایک ایسے مذہب کی رہینِ منت ہوگی۔

جو انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دے گا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عالمگیر ہوگا اور منتشر انسانیت کو ایک وحدت میں منسلک کر دے گا۔ جو مشرق و مغرب کے تمام مذاہب کی تعلیم کا مہیمن ہوگا۔ وہ عقل و فکر پر مبنی ایسا قابلِ عمل ضابطۂ اخلاق دے گا جو علومِ سائنس سے ہم آہنگ ہو۔ وہ انسان کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ خارجی کائنات اور خود اپنی ذات کیساتھ ہم آہنگ رہ سکے۔ اُسی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ نوعِ انسان کا مذہب بن سکے۔

(THE SANE SOCIETY ; BY ERICH FROMM)

ہم نے اس مقام پر دانش ورانِ مغرب میں سے صرف دو ایک کے خیالات پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب اپنی نیشنلزم کے ہاتھوں نالاں ہیں کہ دُنیا میں جنگوں کے لامتناہی سلسلہ کا بنیادی سبب یہی ہے۔ وہ اپنے ہاں کی جمہوریت سے تنگ آچکے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ بھی ملوکیت ہی کا پرتو ہے۔ مغربی سرمایہ پرست قومیں اپنے معاشی نظام کو عالمگیر تباہی کا موجب قرار دیتی ہیں۔ اس کے برعکس روس اور چین کی سوشلزم بُری طرح ناکام ثابت ہو رہی ہے اس حصہ لا کے اجد جب وہ اِلّا (مثبت نظام) کے متعلق سوچیں گے تو وہ قرآن کے سوا کہیں نہیں ملے گا۔ اس طرح سے

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ جہاں معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

والسلام

حقائق و عبر

۱۔ شریعت بل اور جمعیت علماء اسلام

حال ہی میں علماء کے ایک گروپ کی جانب سے سینٹ میں جو شریعت بل پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں دعوٰے کیا جا رہا ہے کہ اس پر تمام دینی جماعتوں کا اتفاق ہے۔ دوسری جماعتوں کو تو جانے دیجئے۔ اس بارے میں صرف ایک جماعت جمعیتِ علماء اسلام کے دو دھڑوں کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔ خیال رہے کہ جمعیت کے ایک دھڑے کی قیادت مفتی صاحب کے فرزند مولانا فضل الرحمٰن صاحب کر رہے ہیں۔ اور دوسرے دھڑے کی قیادت مفتی صاحب کے ایک قدیم رفیق مولانا عبداللہ درخواستی صاحب کر رہے ہیں۔ شریعت بل کے بارے میں اِن دونوں دھڑوں کے تاثرات ایک ہی دن کے اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بیان کی سرخی ہے "شریعت بل سے فائدے کی بجائے نقصان ہوگا" اور اس کے نیچے یہ لکھا ہے :۔

راولپنڈی ۲۱ جون (پ پ ا) جمعیت علمائے اسلام کے راہنما مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ اگر شریعت بل پارلیمنٹ نے منظور کر لیا تو اس سے ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلام کے متعلق دفعات پر زد پڑے گی۔ آج راولپنڈی پریس کلب میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلام کے بارے میں جو دفعات تھیں ان کی بنیاد پر کوئی جمہوری حکومت مکمل اسلامی نظام نافذ کر سکتی تھی۔ شریعت بل سے ان دفعات پر زد پڑتی ہے اور یہ دفعات پھر زیرِ بحث آجائیں گی اور یہ طے شدہ مسئلہ پھر الجھ جائے گا۔

(روزنامہ امروز لاہور بابت ۲۲ جون ۱۹۸۶ء، صفحہ اول)

اسی اخبار کی اسی روز کی اشاعت میں دوسرے دھڑے کا بیان اس اخبار کے آخری صفحہ پر ان الفاظ میں شائع ہوا ہے :۔

لاہور ۲۱ جون، جمعیت علماء اسلام پنجاب کے جنرل سیکرٹری مولانا بشیر احمد شاد نے کہا ہے کہ کوئٹہ میں ایک روزہ نظامِ شریعت کانفرنس تاریخ ساز ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ جمعیت علماء اسلام شریعت بل کے نفاذ تک اپنی جدوجہد جاری رکھے گی۔ انہوں نے کہا کہ جمعیت کی دوسری مہم عیدالفطر کے بعد سے شروع ہو چکی ہے اس کے بعد گوجرانوالہ، سرگودھا، راولپنڈی اور پشاور میں کانفرنسیں ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ کوئٹہ کی کانفرنس سے جمعیت کے سربراہ مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا محمد اجمل خان، مولانا عبدالحق (ایم این اے) مولانا سمیع الحق سینیٹر، قاضی عبداللطیف سینیٹر، صاحبزادہ محمد امجد خان، مولانا زاہد الراشدی، میاں محمد اجمل قادری، مولانا منظور احمد چنیوٹی ایم پی اے اور دوسرے رہنما خطاب کریں گے انہوں نے کہا کہ جمعیت علماء اسلام اس ملک میں نظامِ مصطفےٰ کے عملی نفاذ تک اپنی جدوجہد جاری رکھے گی۔ انہوں نے کہا کہ ہم سوشلزم اور کمیونزم کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ مولانا بشیر احمد شاد نے کہا، کہ ۲۹ جون کو راولپنڈی میں مولانا عبدالحق ایم این اے نے تمام جماعتوں کا ایک اہم اجلاس طلب کیا ہے جس میں تمام پارٹیوں کے سرکردہ رہنما شرکت کریں گے اس اجلاس کا مقصد تمام پارٹیوں کو شریعت بل پر متفق کرنا ہے۔

۲۔ شریعت بل محض ایک سیاسی چال ہے۔

شریعت بل کے بارے میں اسی جماعت کے ایک اور سرکردہ لیڈر مولانا حافظ حسین احمد صاحب کا بیان روزنامہ نوائے وقت لاہور کی ۲۸ جون ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں صفحہ (۶) پر ان الفاظ میں چھپا ہے:۔

"لاہور ۲۷ جون (وقائع نگار خصوصی) جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات حافظ حسین احمد نے کہا ہے کہ شریعت بل ایک سیاسی چال ہے۔ اور موجودہ نام نہاد اسمبلیوں کے ارکان حکومت کے ایماء پر اس کا پراپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ تاکہ وہ غیر آئینی اسمبلیوں میں اپنی موجودگی کا جواز ثابت کر سکیں۔ حافظ حسین احمد اپنی جماعت، جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے۔ اور آج واپس کوئٹہ جاتے ہوئے انہوں نے نمائندہ نوائے وقت سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ حکومت محض قوم کو اسلام کے نام پر دھوکہ دینے کے لئے شریعت بل کا سہارا لے رہی ہے۔ حالانکہ ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین میں اسلامی نظام کے مسئلہ کو حل کر دیا گیا ہے مگر حکومت نے اس آئین کا حلیہ بگاڑ کر اور اس آئین کی روح کے منافی انتخابات کرا کے ملک میں اسلامی نظام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں اس بات کا فیصلہ موجود ہے کہ تمام قوانین

قرآن وسنت کے مطابق ترتیب دیئے جائیں گے اور مروجہ قوانین کو دس برسوں کے اندر اندر اسلامی سانچے میں ڈھال دیا جائے اور اس مدت کے بعد ہر شہری کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ کسی بھی غیر اسلامی قانون کو قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھلنے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکے۔ مگر صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اس آئین کو سب کچھ جانتے ہوئے معطل کیا اور اس طرح اسلام کے نفاذ کو رد کرنے کی شعوری کوشش کی گئی۔ مارشل لاء کے ۹ سالہ دور میں اقتدار کو طول دینے کی خاطر اسلامی نظام کے نفاذ کو بہانہ بنایا جاتا رہا۔ پھر اسلام کو ریفرنڈم میں متنازعہ بنانے کی بھی سعی کی گئی حالانکہ ملک میں اسلام اور پاکستان کی سالمیت ہی دو چیزیں ہیں جن پر قوم پوری طرح متحد ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی طرف سے اقتدار کو طول دینے کے لئے شریعت بل کے نام پر نیا پتا پھینکا گیا ہے۔ انہوں نے بلوچستان کی سیاسی صورت حال کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کہنے کو تو پاکستان نیشنل پارٹی سمیت بائیں بازو کی دیگر تین جماعتیں خود کو ترقی پسند قرار دے کر یکجا ہونے کی کوشش کر رہی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں میر غوث بخش بزنجو کی جماعت پی این پی سمیت کوئی ترقی پسند جماعت بھی بلوچستان سے سرداری نظام کو ختم کرنے میں مخلص نہیں ہیں جب کہ بلوچستان میں سرداری نظام کو ختم کئے بغیر وہاں سے صدیوں سے سرداروں کے ہاتھوں کچلے ہوئے" مفلس مزارعین کی زندگیوں میں انقلاب لانا ممکن ہی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان میں سرداروں کی سرداریاں اور زمینداریاں مزارعین سے حاصل ہونے والے ٹیکسوں پر قائم ہیں۔

۳۔ جمعیت اہلحدیث اور جمعیت علمائے اسلام:

جمعیت اہلحدیث کے ایک دھڑے جس کی قیادت محترم احسان الہٰی ظہیر کرتے ہیں، کے ترجمان ہفت روزہ "الاسلام" نے اپنی ۶۔۱۳ جون ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں جمعیت علمائے اسلام کے بارے میں ایک شذرہ شائع کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے بہ تبصرہ۔ بلاتبصرہ اور اس کے نیچے تحریر ہے:۔

"۲۲ مئی کے نوائے وقت کی خصوصی اشاعت میں جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے سابق امیر اور مولانا عبیداللہ سندھی کے نواسے جناب مولانا سراج دینپوری صاحب کا انٹرویو شائع ہوا ہے جس کا ایک اقتباس ہے:۔

"میں اور میرا خاندان مذہبی بنیادوں پر سیاست کرنے کے قائل نہیں میری مراد فرقہ وارانہ سیاست سے ہے ہمارے اکابر نے کانگرس کے پلیٹ فارم پر کام کیا جو خالص آریہ سماجیوں اور مہاسبھائیوں کی جماعت تھی"۔

مولانا دین پوری صاحب کا بیان "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کے مصداق ہے اور حقیقتِ حال کا مظہر بھی موجودہ جمعیت علمائے اسلام اور سابقہ جمعیتِ علمائے ہند (علمائے دیوبند) نے "آریہ سماجیوں اور مہاسبھائیوں کی جماعت" کانگرس کی حمایت کی تھی اور وجہ یہ تھی کہ وہ مذہبی بنیادوں پر سیاست کے قائل نہیں تھے، جب کہ پاکستان کا نعرہ ہی مذہبی بنیادوں پہ لگا تھا یعنی پاکستان کا مطلب کیا ؟

"لا الٰہ الا اللہ"

دین پوری صاحب سے پہلے مولانا مفتی محمودؒ نے تو واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ "ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں" اب دین پوری صاحب نے صراحت سے کہا ہے کہ "ہمارے اکابر نے کانگرس کے پلیٹ فارم پہ کام کیا" اور کانگرس کے پلیٹ فارم پہ کام کرنے کا پس منظر ایک محترمہ کے "جمعیت علمائے ہند" پر ڈاکٹریٹ کے مقالے سے معلوم ہوتا ہے (یاد رہے کہ اس مقالے کی تیاری میں مدد کرنے پر محترمہ نے علمائے دیوبند کے کئی ایک زعما کا شکریہ بھی ادا کیا ہے) اس میں لکھا ہے کہ علمائے دیوبند کے اکابر نے قائداعظمؒ سے پروپیگنڈے کیلئے رقم طلب کی تھی اور قائداعظمؒ نے معذرت کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کانگرس کی حمایت شروع کردی۔ (صفحہ ۱۶)

۴۔ اسلامی حکومت کا تصوّر :

ماہنامہ البلاغ کراچی، پاکستان میں دیوبندی مکتبِ فکر کا ترجمان ہے۔ اس کے مدیر مفتی محمد شفیع صاحب کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ وہ اسلام میں حکومت کے تصور کے بارے میں "البلاغ" بابت جون ۱۹۸۶ء میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں :۔

"حضرت مجدّد (الف ثانی) صاحبؒ کے ایک خادم تھے، حضرت کے خلیفہ تھے ان کے دولت خانے میں عالمگیر گیا۔ ان کی خدمت میں کہ دعا کراؤں کہ باپ کی گدی مجھے ملے۔ حضرت نے فرمایا اس پہ بیٹھ جاؤ۔ اس چٹائی پہ بیٹھ جاؤ، پہلے بٹھایا پھر عرض کی کہ حضرت میں آیا ہوں۔ دعا کریں کہ مجھے تخت مل جائے۔ فرمایا ہم نے تخت پہ تو بٹھا دیا۔ دارا شکوہ گیا اس نے بھی۔ اسی لئے گیا حضرت نے فرمایا یہ میری دستار سر پر رکھو ٹوپی سر پہ رکھو۔ اس نے کہا میں جناب کی ٹوپی کیسے رکھوں ؟ بے ادبی ہے۔ ایک درخواست ہے کہ تاج ملے۔ فرمایا ہم نے تاج دیا تھا۔ تو نے سر پہ رکھا ہی نہیں۔ یہ بھی حضرتؒ نے واقعہ بیان فرمایا۔ آگے ہی اسی طرح کا واقعہ اور بھی ہے۔ فرمایا ہم نے تخت دے دیا۔ (صفحات ۵۸، ۵۹)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے واقعات سے اسلام میں ملوکیت کا جواز پیدا کیا جاتا تھا۔ اگر حکومت اولیاء اللہ کے خادم ہی عنایت فرماتے تھے، تو انکی یہ عنایت شاہی

خاندانوں تک کیوں محدود تھی۔ کیا ان خاندانوں سے باہر انہیں کوئی اہل آدمی نظر نہیں آتا تھا۔

۵۔ جنت کی نعمتیں :

البلاغ کے اسی شمارے میں جنت کی نعمتوں کے بارے میں یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں:۔
جس وقت تاتاریوں کا حملہ ہوا اور ایک چھوٹی سی بستی تھی پچیس (۲۵) تیس (۳۰) گھروں کی، سب مسلمان تھے۔ اس بستی کے اوپر حملہ کیا۔ انہوں نے جو بیچارے نوجوان تھے وہ لڑتے رہے۔ بوڑھے جو تھے، بیبیاں، مستورات جو تھیں، بچے جو تھے، وہ بیچارے لڑنے کے قابل نہیں تھے الحمدللہ ثم الحمدللہ انہوں نے سارے کے سارے ہی شہید کر دیئے۔ اور ان نیک بختوں کی یہ حالت تھی کہ اتنا حادثہ۔ نہ کسی مستورات میں سے کسی نے نماز چھوڑی ہے نہ کسی بوڑھے نے۔ اتنی شریعت کی پابندی۔ حالانکہ اس حادثے میں تو ہوش وحواس قائم نہیں رہتے۔ مغرب کا وقت آ گیا۔ ایک بچی تھی۔ نوجوان بچی تھی ابھی شادی ہوئی تھی دو اس کے بچے تھے، نام اس کا مختار جہتے۔
مغرب کی نماز پڑھی تو وہ سجدے میں گری ہوئی تھی۔ دعا مانگتے مانگتے چار لفظ کہے۔ اے اللہ اب عزت بھی محفوظ نہیں۔ اے اللہ اب زندگی بھی محفوظ نہیں۔ اے اللہ بچے بھی اولاد بھی محفوظ نہیں۔ اے اللہ اب دین بھی محفوظ نہیں۔ ہم بیچاریوں کو کون سنبھالنے والا ہے؟ عزت بھی نہیں رہے گی، زندگی نہیں رہے گی۔ بچے بھی نہیں رہیں گے۔ اور پھر یہ کہ دین بھی ہمارا خراب ہو جائے گا۔ یہ جو ہے روتے روتے سجدے میں آنکھ لگ گئی تو خواب دیکھتی ہے۔ خواب کیا دیکھتی ہے؟ کہ میدانِ محشر قائم ہے اور میدان محشر کے اندر اس بچی کو خیال آیا کہ ہماری بستی کے لوگ جو فوت ہوئے ہیں ان میں میرا خاوند بھی فوت ہوا ہے ذرا دیکھوں تو سہی کہ وہ بھی ہے۔ میدان محشر میں یا نہیں۔ یہ بیچاری ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ اس کی نظر نہیں پڑی اور وہ جو تھے نا۔ وہ آدمی جو تھے بستی کے اللہ جل شانہ، وعمّ نوالہٗ نے حکم فرمایا کہ ان کا حساب کتاب پھر دیکھا جائے گا۔ بیچارے سارا دن میرے لئے لڑتے رہے۔ جنت کی نعمتیں لا، وہ ان کو کھلاؤ اور انکو خوب راضی کرو۔ یہ کہدیں کہ ہم اپنے اللہ پر راضی ہو گئے۔ اس کے بعد حساب کتاب کی بات ہو گی۔ وہ کھا رہے، اس کے خاوند کی نظر پڑ گئی۔ اس کے اوپر اس نے بلایا، رجتے، رجتے، رجتے یہ دوڑتے دوڑتے گئی۔ اس خاوند نے ساتھیوں سے پوچھا اگر اجازت دے دو ان بیچاریوں نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ یہ بیچاری ہے اس کو بھی تھوڑا سا دے دیں۔ جنت کا کھانا۔ وہ تو شہید ہو چکے تھے۔ یہ زندہ خواب میں دیکھ رہی تھی۔ برفی ہوتی ہے نا۔ یہ دودھ خشک کر کے چینی ڈال دیتے ہیں۔ جنت کی برفی کھا رہے تھے۔ دیکھئے صاحبو! وہ برفی میں کیا مزہ؟ اتنی سی دی اس نے جتنا پورا ہوتا ہے نا۔ اتنا سا دیا اسنے تے کھایا اس کے بعد اسکی نیند کھل گئی۔ نیند کھلنے کے بعد حضرت جی۔ وہ بیچنا لسیں سال۔

پچاسں سال زندہ رہی نہ اس کو کھانے کی ضرورت پڑی نہ اس کو پینے کی ضرورت پڑی اور نہ اسے وضو کرنے کی دوبارہ ضرورت رہی ۔ یہ ہیں اس جنت کی نعمتیں ۔ (صفحات ۵۹-۶۰)

۶۔ خدائی ٹیلی ویژن :

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کے ایک مرید جناب ڈاکٹر محمد یوسف صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اپنے پیر کی اجازت کے بغیر ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان چلے گئے ۔ وہاں ان سے کچھ خلافِ شرع حرکات سرزد ہوئیں ، جنہیں ان کے پیر نے آٹھ ہزار میل دور سے دیکھ لیا اور انہیں سرزنش کا خط لکھا ، جس کے جواب میں وہ ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کئے بغیر وطن واپس آ گئے ۔ تصوّف کا ترجمان ماہنامہ سلسبیل صوفیا کی اس طاقت کو خدائی ٹیلی ویژن قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے :۔

جنہوں نے ٹیلی ویژن دیکھا ہے اور انہیں میلوں دور کے واقعات کی متحرک تصویریں ٹیلی ویژن کے شیشے کے پردے پر دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا جو انسان کی اختراع ہے تو انہیں اس واقعہ پر بھی حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے ۔ کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے ایک محبوب بندے پر یہ فضل کیا کہ اس نے ہزاروں میل دور اپنے مرید کو اسطرح دیکھ لیا گویا وہ اس کی حدِ نگاہ کے اندر تھا اور اس کے حالات کو چشمِ باطن سے اس طرح دیکھا جیسے کوئی عام انسان چشمِ ظاہر بین سے اپنے قریب کی چیزیں اور واقعات دیکھتا ہے ۔

(ماہنامہ سلسبیل بابت جون ۱۹۸۶ء ص ۲۰)

۷۔ بھوپال کے مفتی اعظم کا فتویٰ :

انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچے ، اپنے والدین کو عام طور پر ممی اور ڈیڈی کہہ کر پکارتے ہیں ۔ اس کی بابت بھوپال کے مفتی اعظم نے جو فتویٰ جاری کیا ہے ، اس کی رپورٹ روزنامہ جنگ لاہور نے اپنے گجرات سپلیمنٹ میں ان الفاظ میں دی ہے :۔

نئی دہلی (رپورٹ / مقبول دہلوی) بھارت کے ایک اخبار نے اپنی ۲۹ مئی ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں چار کالمی سرخی کے ساتھ بھوپال کے مفتی اعظم کے جاری کردہ فتویٰ کا عکس شائع کیا ہے ، جس میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان شخص اپنے آپ کو اباجان ! ابا میاں ! ابا حضور ! یا ابو صاحب کہلوانے کی بجائے پاپا یا ڈیڈی کہلوائے گا ۔ اور اسی طرح کوئی مسلم خاتون اپنے بچوں سے اپنے

آپ کو امّی جان کی بجائے ممّی یا ماما کہلوائے گی تو ان کا یہ عمل شرعی نقطۂ نگاہ سے غیر اسلامی اور کافرانہ عمل تصوّر کیا جائے گا۔ بھارت کے مسلم آبادی والے شہر بھوپال کے مفتی صاحب نے یہ فتویٰ اس وقت جاری کیا جب بھوپال کے ایک مسلمان حامد احمد ولد طفیل احمد سکنہ جھول روڈ بھوپال نے ان سے شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ جاننا چاہا کہ اگر میرے بچے مجھے ابّا جان کی بجائے پاپا یا ڈیڈی کہہ کر بلائیں اور اپنی ماں کو ممّی کہہ کر بلائیں تو کیا ہمارا مذہب اسلام (جس کا میں صدق دل کے ساتھ پرستار و پیروکار ہوں) اس کی اجازت دیتا ہے؟ اس پر مفتی صاحب نے فتویٰ جاری کرتے ہوئے نہایت واضح الفاظ میں کہا ہے کہ "یہ الفاظ مسلمانوں کو ہرگز نہیں بولنے چاہئیں مذہب اسلام ان کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ الفاظ غیر مسلم، کفار اور مشرکین کے مخصوص الفاظ ہیں۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے الفاظ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ہیں جن پر اللہ کا نام بھی اور جن کے بولنے میں ثواب بھی ہے۔ ایسے اچھے اور متبرک الفاظ جو اپنی زبان اور اللہ رسولؐ کی پیاری زبان کے الفاظ ہیں ان کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کے لفظوں کو بولنا، اپنی زبان کے الفاظ، اللہ، رسولؐ کی زبان اور ان کے تسلیم کردہ ثواب والے الفاظ کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کو ترجیح دیں اور پسند کریں، ان سے محبت کریں، ایسے لوگوں کے لئے قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہنمی ہونا فرمایا ہے۔ اور کفار و مشرکین کے ساتھ حشر کرنے کی خبر دی ہے نعوذ باللہ ہمیں سختی کے ساتھ ایسے الفاظ، مشرکین کے الفاظ اور ان کے طریقے اختیار کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔"

۸۔ افغان مجاہدین کی امریکی امدادی تنظیم

روز نامہ نوائے وقت لاہور نے اپنی یکم جولائی ۸۶ء کی اشاعت، امریکہ میں افغان مجاہدین کی سب سے بڑی امدادی تنظیم کے بارے میں یہ خبر شائع کی ہے:۔

واشنگٹن ۳۰ جون۔ (ڈب د) امریکہ میں افغان مجاہدین کے لئے امداد جمع کرنے والی اور افغان عوام کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے میں مصروف سب سے بڑی تنظیم کمیٹی برائے آزاد افغانستان کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر مسٹر کارن میک گذشتہ ماہ سبکدوش ہو گئے اور انکی جگہ ایک یہودی نوجوان ہنری کریگل نے سنبھال لی ہے۔ اٹھائیس سالہ ہنری کریگل کولمبیا یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ وہ سُرخ و سفید رنگ، سیاہ آنکھوں اور بالوں اور گھنی داڑھی کی وجہ سے افغان مسلمان نظر آتے ہیں۔ پانچ سال قبل روسی فوج نے افغانستان پر حملہ کیا تو ہنری کریگل ین ہٹن میں نفسیات کے طالب علم تھے اور اسقاطِ حمل کے مخالف گروپوں اور اسی نوعیت کی دوسری تنظیموں کی تحریک میں سرگرمی سے حصّہ لیتے تھے۔ گذشتہ سال ان کو ڈاکٹر رابرٹ سائمن کے ایک لیکچر میں شرکت کا موقع ملا جو روسی حملے کے بعد افغانستان کا دورہ کرنے والے پہلے امریکی معالج تھے انٹرنیشنل

میڈیکل کور کے چیئرمین کی حیثیت سے انہوں نے زخمی مجاہدین کے علاج کے لئے متعدد کلینک قائم کرنے میں مدد دی۔ اس لیکچر سے متاثر ہوکر کریگل نے مجاہدین کی امداد کا فیصلہ کیا ایک ہفتے بعد ان کو لاس اینجلز میں افغان مہاجرین کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل گیا اور ایک ماہ بعد انہوں نے آزاد افغانستان کے حامی امریکی تنظیم کے قیام میں ہاتھ بٹایا۔ اب امریکہ میں افغان مجاہدین کی امداد کے لئے چھ رضاکار تنظیمیں کام کر رہی ہیں یہ کمیٹی ان میں سب سے زیادہ تجربہ کار مانی جاتی ہے۔ کمیٹی برائے آزاد افغانستان ۱۹۸۱ء میں قائم کی گئی اور چار پانچ سال کے عرصے میں ہی اس نے افغان مجاہدین کو کپڑے جوتے ادویات اور اشیائے خوردنی کی بڑی مقدار بھجوائی۔ گذشتہ ہفتے افغان مجاہدین کے چار لیڈروں کے دورہ امریکہ کے بیشتر اخراجات اس کمیٹی نے برداشت کئے تھے کمیٹی کے تعاون سے افغانستان میں شدید زخمی ہونے والوں کی بڑی تعداد کا امریکہ میں علاج کرایا جا چکا ہے۔ اب کمیٹی نے یہ کام منظم انداز میں کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس مقصد کے لئے امریکہ کے آٹھ بڑے ہسپتالوں میں انتظام کیا جا رہا ہے جب کہ افغانستان میں متاثرہ لوگوں کو بڑی مقدار میں ضروری ادویات اور دوسرا سامان بھیجا جا رہا ہے۔ کمیٹی نے افغانستان میں تباہ شدہ علاقوں کی بحالی کا منصوبہ بھی بنایا ہے۔ جماعت اسلامی اس قسم کی خبروں کی عام طور پر تردید کرتی رہتی ہے۔ لیکن ابھی تک اس کی جانب سے کچھ نہیں کہا گیا۔

*

۹۔ دارالکفر میں تبلیغ

مولانا امین احسن صاحب کے ایک شاگرد رشید ایک دینی ماہنامہ اشراق نکالتے ہیں، ان سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ان جیسے دوسرے علماء کے یوروپ کے ممالک کے تبلیغی دوروں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا :۔

"میرے نزدیک یہ بھی درست نہیں ہے، انہیں چاہیئے کہ وہ پہلے اس دارالمسلمین کو جو ان کا وطن ہے۔ دارالاسلام بنانے کی جدوجہد کریں اور اس میں دین حق کو ہر شعبۂ زندگی پر غالب کر دیں۔ اس کے بعد صحابہؓ کرام کی طرح کفر کے خلاف جہاد کریں اور دنیا سے اس کا سیاسی غلبہ ختم کر دیں۔ پھر دارالکفر میں رہنے والے غیر مسلموں کو اللہ کا دین پہنچائیں۔ وہ دیکھیں گے کہ: یدخلون فی دین اللہ افواجا، کا منظر ایک مرتبہ پھر ان کی نگاہوں میں پھر جائے گا۔ ان شاء اللہ دین کی تبلیغ کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اسے ہی اختیار کیا اور عرب وعجم پر دین کو غالب کر دیا۔ ہم مسلمانوں کو اسی طریقے پر قائم رہنا چاہیئے۔

(ماہنامہ اشراق بابت جون ۱۹۸۶ء صفحہ ۴۳)

پاکستان کی معاشی مشکلات اور ان کا قرآنی حل

علامہ پرویز صاحبؒ کی پہلی برسی کے موقع پر مذکورہ بالا موضوع پر جو مقابلۂ مضمون نویسی، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء کے مابین منعقد ہوا تھا۔ ان میں سے دو طالب علم پہلے انعام کے مستحق قرار دیئے گئے تھے۔ ایک مضمون طلوع اسلام کی جون کی اشاعت میں پیش کیا جا چکا ہے دوسرا اب پیشِ خدمت ہے۔ (ادارہ)

قوموں کی زندگی میں معاشی اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ کیا عوامل ہیں جو معاشی خوشحالی لاتے ہیں، اور کیا اسباب ہیں جو انہیں بھوک اور خوف کے عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اسے قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً ...... یَصْنَعُوْنَ (۱۶/۱۱۲)

اللہ مثال بیان کرتا ہے۔ ایک ایسی بستی کی، جسے خارجی خطرات سے امن اور داخلی کشمکش سے اطمینان حاصل تھا۔ اس کی طرف ہر سمت سے سامانِ رزق کھنچا چلا آتا تھا۔ اس کے رہنے والے بڑے خوشحال اور فارغ البال تھے لیکن انہوں نے خدا کی ان بخشائشوں کی ناقدری کی (بڑے بڑے لوگوں نے انہیں اپنے لئے سمیٹنا اور چھپانا شروع کر دیا) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری ہو گیا۔ فارغ البالی کی جگہ انہیں فاقے آنے لگے اور ان کا امن خطرات سے بدل گیا۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا لایا ہوا تھا۔ خدا نے اپنی بخشائشیں نہیں

روک لی تھیں، بلکہ انہوں نے اپنے لئے جو غلط نظام قائم کیا، یہ اس کا نتیجہ تھا۔

سرزمین پاک و ہند کی حالت:

سونا اگلتی، سرزمین پاک و ہند نے قرونِ وسطیٰ میں مسلمان غازیوں کے قدم چومے۔ اسلام کی بارانِ رحمت کے ہلکے سے ترشح نے، اس خطۂ ارض کو امن و خوشحالی کی وہ بہار دکھائی کہ دنیا اُسے "سونے کی چڑیا" کہنے لگی۔ اہلِ یورپ سات سمندر کا چکر کاٹ کر اسے دیکھنے آتے اور اس کے باسیوں کے ساتھ تجارتی روابط پیدا کرنے لگے۔ پھر یوں ہوا کہ اسلامی مساوات میں رخنہ پڑا۔ طاقتوروں نے نعمتیں اپنے لئے سمیٹ کر ابنائے وطن کو محروم کرنا شروع کر دیا۔ نعمائے خداوندی، جنہیں بہتے پانی کی طرح ہر فردِ بشر کے لئے عام ہونا چاہیئے تھا مخصوص طبقوں میں بٹنے لگیں۔ امراء، حاکم ہو کر نواب بن گئے اور عوام نے سمجھ لیا ؎

جو کھا لیا سولا ہے دا، باقی احمد شاہے دا

بس برستا ہُن روٹھ گیا۔ زندگی طلب حفاظت میں سرگرداں رہنے لگی اور اس طرح استحصال کے اس نظام نے جنم لیا جس میں طاقتور لوگ تو معاشی جدوجہد میں حصہ لئے بغیر، لوٹ کھسوٹ پر آمادہ ہوئے اور دھرتی کے کارکن باسی، قومی ترقی اور حفظ و تعمیرِ مستقبل سے لاتعلق ہو گئے۔ جو نعمتیں معاشرہ میں موجود تھیں وہ باوجود موجود ہونے کے عوامی دسترس سے نکل گئیں اور جدید و زاید پیداوار کے لئے اہلِ زراعت و حرفہ نے کہا کہ

ع زاید از حاجت کمانا ہے عبث

لباس الجوعِ والخوف:

جب ملک میں لوٹ کا بازار گرم دیکھا تو تجارت کی غرض سے آئی ہوئی اقوام نے موقع غنیمت جانا اور ہندوستانی مُردہ معیشت کو گِدھوں کی طرح نوچنے لگیں۔ ملک پر قبضہ کیا اور مفتوحہ ہند میں ایک آزاد معیشت کے قیام کی بجائے ایک ایسا معاشی نظام قائم کیا کہ آہستہ آہستہ ملک کی ساری دولت سمٹ سمٹ کر یورپی فلاحی مملکتوں کی تجوریوں میں چلی گئی۔ ملک خام مال کی منڈی رہ گیا۔ یہاں نوبت کہ اپنی استعمال کی اشیاء تک کے لئے اقوامِ مغرب کا محتاج ہو گیا۔ ہاں! اس عرصہ میں بھی معاشی ترقی کا کام ہوا لیکن ایسا جس سے کہ یورپ کے تاجر کو دولت کمانے میں سہولت ہو۔ ملکی صنعت و حرفت تباہ ہو گئی اور عوام یا تو فوج میں خون بیچ کر روٹی کمانے لگے یا دفتروں میں چپڑاسی یا بابو بن کر غلامی کا دم بھرنے لگے۔ البتہ ایک ایسا طبقہ ضرور پیدا ہوا جس نے قوم فروشی کے بدلے، جاگیریں حاصل کیں، سردار، نواب اور ذیلدار کہلائے اور اپنے آقا کی خوشی کے لئے لکھوکھہا مخلوقِ خدا کی محنت کی کمائی چھین کر خود بھی عیش کی، اور تعمیرِ انگلستان کے عظیم کام میں

"قابلِ فخر" کردار ادا کیا۔

نوزائیدہ مملکتِ پاکستان:

بھلا ہو ان ہستیوں کا جنہوں نے اس صورتِ حالات کو سمجھا اور اپنی بے مثال جدوجہد اور بے پایاں قربانیوں سے ملک کو غیروں کی محکومی سے آزاد کرایا۔ قومی زندگی میں ۱۹۴۷ء خوش بختی کا وہ سال ہے، جب یہ خطۂ زمین غلامی سے آزاد ہوا۔ غیر ملکی آقا تو رخصت ہوئے، لیکن شیطانی معیشت کا وہ بیج جو وہ بو گئے تھے وہ اب شجرِ زقوم کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور وہ نوزائیدہ قوم کے دسترخوان کی زینت بنا (۴۴/۴۳)۔ (۵۶/۵۶) قوم اسے چکھنے پر مجبور ہوئی، لیکن وہ طعام ضریع (۸۸/۶) کی طرح اس کے نازک گلے میں کانٹا ہو رہا، اب یہ نہ تو جسدِ ملّت کی تقویت کا باعث ہے اور نہ ہی بھوک کا مداوا۔ لیکن طفلکِ قوم گلا پھاڑے اذیت و کرب سے اپنے کرم فرماؤں کو مدد کے لئے پکارے جا رہا ہے۔ اسے کون بتائے کہ اس کی اس "تکلیف" کا علاج معمولی اپریشن سے نہیں ہوگا بلکہ اس کا علاج شیطانی معیشت کے کانٹے کو حلقومِ قوم سے یکسر نکال دینے میں ہے۔ اور اگر صحتِ جسدِ ملّت منظور ہے، تو طعمۂ طیّب کا بندوبست کرنا ہوگا اور اس کے لئے اسلامی نظامِ معیشت کا ثمردار و پربہار درخت کاشت کرنا ہوگا۔

دورِ غلامی کی معیشت کے جس شجرِ خبیث کو ہم نے وراثت میں پایا اس کے نشو و ارتقاء یا قطع و تہذیب کو مرحلہ وار بیان کرنا اس وقت موضوعِ سخن نہیں، اگرچہ پاکستان کی معاشی مشکلات کے پورے فہم کے لئے اس کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اس وقت اس پس منظر کے ساتھ صرف ان دشواریوں کو سامنے لایا جا سکتا ہے۔ جو ملک کی معاشی ترقی میں حائل ہیں۔ ان مشکلات کو تین بڑے زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) اقتصادی دشواریاں

ا مالی ذرائع کی قلّت:

ملک کے ترقیاتی مقاصد کے لئے سرمایہ میسر نہیں آتا۔ ملک کا اپنا سرمایہ، استعمارِ برطانیہ کے دور میں باہر منتقل ہو گیا۔ عام غربت کی وجہ سے لوگ روپیہ پیس انداز نہیں کر سکتے۔ ایسے حالات میں غیروں کو دعوتِ سرمایہ کاری دینا پڑتی ہے، جو اپنے مطلب کے منصوبوں میں رقم لگانے اور ملک سے مزید رقم بطور منافع بیرونِ ملک منتقل کر دیتے ہیں۔ سرکاری شعبہ میں سرمایہ کاری کے لئے حکومت دوسرے ملکوں سے قرض لیتی ہے جو یہ قرض صرف اپنے مفاد کے تحفّظ اور سیاسی شرائط

کے ساتھ دیتی ہے۔
اس کے نتیجہ میں ملک نہ معیشت میں آزاد ہوتا ہے، اور نہ سیاست میں۔

۲۔ زرِمبادلہ کی کمی:

ترقیاتی مقاصد کے لئے جو چیزیں اور مشینری ملک میں نہ ہو اسے منگوانے کے لئے زرِمبادلہ درکار ہوتا ہے جو صرف بین الاقوامی تجارت سے حاصل ہوتا ہے۔ پسماندگی کے سبب ملک سے باہر بھیجنے کے لئے کوئی ڈھنگ کی چیز ہم پیدا ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو عالمی منڈی میں بوجہ قیمت اور معیار، مقابلہ کے اہل نہیں۔ تنگ آکر ملک کی استعمالی اشیاء مثلاً خوراک لباس وغیرہ باہر بھیجتے ہیں۔ جس سے اندرونِ ملک قلت پیدا ہو کر قیمتوں میں غیر ضروری اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ لیکن پھر بھی چنداں زرِمبادلہ ہاتھ نہیں آتا۔ ان حالات میں غیر ممالک سے امداد طلب کرنا پڑتی ہے۔ جس کے لئے امداد دہندہ کی کئی خواہشوں کا احترام کرنا پڑتا ہے، جو بعض حالات میں قومی وقار کے منافی ہوتا ہے۔

۳۔ فنّی معلومات کی قلّت:

فنّی معلومات کم ہونے کے سبب قومی پیداوار کا ہر شعبہ متاثر ہے۔ سائنس دانوں، انجینئروں اور تربیّت یافتہ افراد کی قلّت ہے۔ اگر ملک میں یا ملک کے خرچہ پر ملک سے باہر کوئی پاکستانی ماہر، تربیّت حاصل کر کے کارآمد بنتا ہے تو ملک اسے مناسب اجرت پر ملک میں نہیں رکھ سکتا اور وہ بیرونِ ملک اپنی صلاحیّت غیروں کے سپرد کر دیتا ہے اور ملک محروم کا محروم رہتا ہے۔ ملک میں فنی معلومات اور فنی مہارت کی کمی حالت تشویش ناک ہے۔

۴۔ ناظموں کی کمی:

(۱) فقط سرمایہ، زرمبادلہ اور تربیّت یافتہ افراد ہی معاشی ترقی میں کافی نہیں بلکہ انہیں یکجا کر کے کارآمد بنانے کے لئے منتظموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستان آزاد ہوا تو مسلمان بالعموم زراعت پیشہ تھے۔ صنعت و تجارت میں منتظم نہ ہونے کے برابر تھے۔ اب کچھ کمی پوری ہوئی ہے، لیکن ابھی بھی بے حد خلا موجود ہے۔

(ب) سماجی اور ثقافتی رکاوٹیں

۱۔ معاشی رویہ:
کسی ملک کی معاشی جدوجہد کا انحصار بڑی حد تک اس قوم کی مجموعی ذہنیت پر ہوتا ہے

یہ ذہنیت ایک مخصوص معاشی رویے کو جنم دیتی ہے۔ پاکستانی عوام کا معاشی رویہ ایک نظر دیکھنا ہو تو کسی شادی کے موقع پہ دلہن کی رخصتی کے منظر کو دیکھئے۔ دولہے کا باپ یا ماموں اس دولت کو جو اس نے کئی سالوں میں بچت کر کے جوڑی ہوتی ہے، یا زمین کا ٹکڑا، فروخت کر کے ساتھ لایا ہوتا ہے، علاوہ دوسرے اخراجات کے، مٹھیوں میں بھر بھر کر دولہا دلہن پہ نچھاور کرتا ہے، اور اس کی قوم کے بچے، غریب ہوں یا امیر، ان بکھرتے ٹکوں پہ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی کا ہاتھ نالی میں ہوتا ہے اور کوئی چھینا جھپٹی میں مصروف۔ اگر کسی بڑے کے قریب کوئی سکہ آگرے تو وہ بھی اس پہ پاؤں رکھ لیتا ہے۔

۲۔ فضول رسوم:

یہ معاشی رویہ، سہل الحصول دولت کی آرزو اور غیر ترقیاتی کاموں میں اس کا بے دریغ استعمال، معاشی بدحالی کا پیش خیمہ اور اس کے، قوم کی تقدیر بنے رہنے کا سبب ہے۔ وہ سرمایہ جو قومی ترقی پہ خرچ ہونا چاہیئے، فضول رسوم، شادی بیاہ، تقریبات اور تہواروں کی نظر ہو جاتا ہے۔

۳۔ تحفظِ خویش:

اس معاشی رویہ کے ساتھ یہ آرزو کہ جو کچھ بھی از قسم دولت و نعماء دنیا میں موجود ہے وہ میرے اور صرف میرے قبضہ میں آجائے، خواہ اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے، ابنائے قوم کو اجتماعی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے سے روکتی ہے۔ انسان اپنی ذاتی ضرورتوں کے ماوراء قومی مفادات یا عالمگیر انسانیت کی بھلائی کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔

۴۔ ناخواندگی و جہالت:

ملک کے ۷۵ فیصد افراد ناخواندہ ہیں۔ ان کی نہ صرف اپنی استعداد انتہائی پست ہے بلکہ وہ ترقیاتی کاموں کا شعور بھی نہیں رکھتے۔ اس پہ مستزاد یہ کہ ایسے جاہل اور غیر مستند افراد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

۵۔ افراطِ آبادی:

جو کچھ ترقی ملک میں ہوتی ہے، بڑھتی ہوئی آبادی اس کی افادیت کو ہڑپ کر جاتی ہے۔

[۶۔] غیر مساوی تقسیمِ دولت:

ملک کے مروجہ معاشی نظام کے سبب، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہو رہی ہے۔

اور ملک میں معاشی طبقات پیدا ہو چکے ہیں۔ دولت سمٹ کر چند خاندانوں میں جمع ہو رہی ہے جس سے ایک طرف مترفین کا طبقہ پیدا ہو رہا ہے، تو دوسری طرف ناداروں کا۔ مترفین کام نہ کرنے کے سبب معاشرہ پر بوجھ ہیں۔ اور نادار خود اپنے آپ سے تنگ۔ کارکنوں کا ایک قلیل طبقہ ہے جس پر معاشی ترقی کا بوجھ ہے۔

۷۔ نظامِ سرمایہ داری اور اجرتوں کا پست معیار:

ملک میں قانونی طور پر سرمایہ داری کا نظام قائم ہے۔ چند لوگ محض سرمایہ کا معاوضہ لیتے ہیں۔ جب کہ کام کاج میں حصہ نہیں لیتے۔ اس طرح سے سلب ونہب کا وہ نظام جنم لے چکا ہے، جس سے محنت کرنے والوں کو ان کا پورا معاوضہ نہیں ملتا۔ تجارتی کاروباری اداروں یا جاگیرداری، کارخانہ داری کے علاوہ ملکی نظامِ زراعت میں بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار محض کاشتکاروں کی محنت پر پلتے ہیں اور کاشتکار ناداری کے سبب زرعی ترقی میں کما حقہ کردار ادا نہیں کر سکتے۔

(ج) انتظامی مشکلات

۱۔ سیاسی عدم استحکام:

ملک کو قیام سے لے کر اب تک سیاسی استحکام نصیب نہیں ہوا۔ عدمِ اطمینان اور غیر یقینی کی فضا مستحکم معاشی اقدامات کے لئے سازگار نہیں ہوتی۔ آئے دن حکومتوں کی تبدیلی اور پھر ۱۹۷۱ء کے سانحۂ سقوطِ ڈھاکہ کے سبب پاکستانی معیشت کو جو دھکا لگا، آج تک اس کے سبب سے پاکستانی کرنسی کی بین الاقوامی پوزیشن بحال نہ ہو سکی۔ اب محض کرنسی کی آئے دن کی گرتی ہوئی قیمت سے پاکستان کے قرضے دوگنے، تگنے ہوتے چلے جا رہے ہیں اور قوم، یوں نظر آتا ہے، جیسے ان کے بوجھ سے نکل نہ سکے گی۔

۲۔ حکومتی ادارے:

حکومتی اداروں میں مختلف شعبوں کے ماہرین کی بے حد کمی ہے، وہ صحیح طریقے سے قومی ضروریات کے مطابق معاشی ترقی کو پلان نہیں کر پاتے۔ ملک کو بیرونی مشیروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو بہرحال اپنے ملکوں کے مفاد کو مدِنظر رکھتے ہیں اور ایسے منصوبوں کے اجراء کا مشورہ دیتے ہیں جن سے ملک اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے بلکہ دوسری قوموں کی منڈی کے طور پر کام کرے۔ آج کل جتنا سرمایہ ملک میں موجود ہے یا بیرونِ ملک سے پاکستانی شہری

کما کر بھیجتے ہیں وہ یا تو مکان بنانے میں صرف ہو رہا ہے یا محض کمرشل پلازاؤں پر ۔ آخر کمرشل پلازاؤں میں مال کہاں سے آ کر بکے گا۔ صاف ظاہر ہے یہ دوکانیں بیرونی مال کی کھپت کے لئے لگائی گئی ہیں تاکہ پاکستانی قوم کی قوتِ خرید کے جواب میں اسے سامانِ آسائش اور کھلونے دے دیئے جائیں۔

ان دشواریوں کے سرمایہ دارانہ حل کے لئے اب تک معیشت کے پیرہنِ کہنہ پر جو رفوگری کی گئی ہے اس کے نتیجے میں قومی معیشت کی حالت دن بدن تشویشناک ہو رہی ہے جس طرح کسی مریض کے بخار کی شدت کو جانچنے کے لئے تھرمامیٹر ایک معیار ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی معیشت کو جانچنے کے لئے اس ملک کی کرنسی کی قدر معیار ہوتی ہے اگر کرنسی کی قیمت بین الاقوامی منڈی میں بہتر ہو رہی ہو تو معیشت ترقی پذیر ہے اور اگر یہ گر رہی ہو تو معیشت بیمار ہے۔ پاکستانی کرنسی کی قیمت گذشتہ دس بارہ سالوں میں امریکی ڈالر کے بالمقابل ۸۵ء۳ روپے سے گر کر ۰۰ء۱۶ روپے ہو چکی ہے۔ اگر آپ معاشی ڈاکٹر نہ بھی ہوں تو بھی براہِ کرم بحیثیتِ مریض ہی ذرا معاشی قدر پیما کو دیکھ لیں کہ کہیں آپ کو بخار تو نہیں چڑھا ہوا ۔

مشکلات کا قرآنی حل :

قرآنِ کریم انسان کی معاشی مشکلات کے حل کو اپنے معاشرتی انقلاب کے جلو میں لے کر آتا ہے۔ وہ اس کا آغاز تغیرِ نفس سے کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (۱۳/۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات اور نفسیاتی رویّوں میں تبدیلی نہ پیدا کر لیں

فرد سے معاشرہ کی طرف

اس کام کے لئے وہ بلند اقدارِ حیات اور قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ جوں جوں لوگ اس بنیاد کو تسلیم کر کے اپنے رویوں میں اصلاح کے پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لئے مشترکہ جدوجہد میں شامل ہوتے جاتے ہیں، وہ تطہیرِ فکر و عمل کے ذریعے خدمتِ خلق کے جذبہ کو عوام میں راسخ کرتا جاتا ہے اور "محض اپنی طرف سمیٹنے" کے جبلی جذبہ کو پسپا کرتا جاتا ہے۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ...... وَاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝
فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ ط
وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۶۴/۱۵-۱۶)

شُحِّ نفس کا علاج :

بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس ہی اجرِ عظیم ہے۔ سو اللہ ہی کے قوانین کی اِمکانی حد تک نگہداشت کرو اور نظامِ خداوندی کے احکام اچھی طرح سے سنو اور ان کی اطاعت کرو اور اپنی کمائی کو ربوبیّتِ عامہ کے لئے کھُلا رکھو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اس سے تمہاری نگاہ میں ایسی کشاد پیدا ہو جائے گی جس سے تم اس کوشش میں نہیں لگے رہو گے کہ دوسروں کو پیچھے دھکیل کر خود آگے بڑھ آؤ۔ کھیتیاں انہیں کی پروان چڑھتی ہیں جو دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیں۔

یہ تربیتی مرحلہ مسکینوں، یتیموں، ناداروں، راہگذاروں اور ضرورتمندوں کی امداد کا ہوتا ہے۔ اس کے لئے قرآن مجید نے بے شمار احکامات دیئے ہیں۔ (۶۹/۳۴ ، ۷۶/۸-۱۰ ، ۵۹/۱۷-۲۰ ، ۷۰/۱۱-۱۶ ، ۱۰۷/۱-۳ ، ۲/۲۱۵ ، ۳۰/۳۸)

اجتماعیت کا آغاز :

جب خدمتِ خلق کا جذبہ جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اور مومنین کا حلقہ وسیع ہو کر علاقائی اختیار تک رسائی پا لیتا ہے تو اس نظامِ معیشت میں اصلاح کا آغاز ہو جاتا ہے جو انہوں نے وراثت میں پایا ہوتا ہے۔ اس موقع پر صدقات کا اجتماعی نظم و نسق کیا جاتا ہے (۹/۱۰۳) مال و دولت کے نظام میں اصلاح کی جاتی ہے۔ ضرورتمندوں کا حق مجموعی دولت میں تسلیم کرکے یہ حق ان کو پہنچایا جاتا ہے۔ (۵۱/۱۹ ، ۷۰/۲۴-۲۵) قرضِ حسنہ کا نظام نافذ ہوتا ہے (۵۷/۱۱ ، ۷۳/۲۰)۔ دولت کے ذخیرہ اندوزی ممنوع قرار پاتی ہے۔ (۹/۳۴-۳۵) ، (۱۰۴/۱-۷) سودی نظام کو ختم کر دیا جاتا ہے (۲/۲۷۵-۲۷۹) زمینی رقبہ کی حدبندی کر دی جاتی ہے (۱۲/۱۴) اور لیبر پالیسی میں محنت کے صحیح معاوضوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ (۵۳/۳۹ - ۵۶/۶۳-۷۴) دولت کی تقسیم اسی طرح کی جاتی ہے کہ وہ صرف دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتی رہے (۵۹/۷)

ربوبیّتِ عامہ کی کفالت :

جب معاشرتی نظام اپنی تدریجی تبدیلیوں کے ساتھ مزید آگے بڑھتا ہے تو مملکتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آتا ہے تاکہ ربوبیّتِ عامہ کی کفالت کی جائے (۱۱/۶ ، ۶/۱۵۲) اور معاشرہ میں ارتقائی نشو و نما کا بندوبست کیا جائے۔ (۲۲/۴۱) اس کام کے لئے مومنین اور ان کے خالق کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے۔ جس کے تحت مومنین اپنی جان و مال کو جنت کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ (۹/۱۱۱) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ اسلامی مملکت

کے ساتھ طے پاتا ہے (۹/۱۱۱) اب مومنین کا مال ان کا ذاتی مال نہیں ہوتا بلکہ "اللہ کا مال" ہو جاتا ہے اور مومنین اس کے امین ہوتے ہیں۔ (۲۴/۳۳)

اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ

یہ وہ موقع ہے جب زمین بشمولِ عام وسائلِ پیداوار کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہو جاتی ہے۔ (۷/۴۳)

خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سب اللہ کے ہوتے ہیں اور ان سے ضرورت کے مطابق استفادہ کیا جاتا ہے۔ (۶۳/۷، ۱۵/۲۱) ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں کی بردمندی کے یکساں مواقع حاصل ہوتے ہیں اور تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کی ذمہ داری حکومتِ الٰہیہ کی ہوتی ہے (۱۱/۶، ۲۰/۱۱۹، ۶/۱۵۲، ۱۷/۳۱، ۲۹/۶۰) لیکن یہ سب کچھ مومنین کی مشترکہ مساعی کا نتیجہ ہوتا ہے اور مساعی کے تناسب ہی سے ان سہولتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور معیشت مزید ترقی حاصل کرتی رہتی ہے۔ (۵۳/۳۹، ۷۶/۲۲)

قُلِ الْعَفْوَ

جب حکومت یہ ربوبیتِ عامہ کا اہتمام کرتی اور جملہ ضروریات کی کفالت کا ذمہ لیتی ہے تو پھر کسی بھی شخص کو اپنی محنت کے زائد ثمر کو پاس رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس لئے وہ اپنی ضرورت سے زائد سب کا سب عالمگیر ربوبیت کے مقصدِ عظیم کے لئے اس جذبۂ خدمتِ خلق کے تحت بطیبِ خاطر دے دیتا ہے بلکہ وہ بھرپور کوشش کر کے زیادہ سے زیادہ کماتا اور زیادہ سے زیادہ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی ضرورتوں کو بھی قربان کر دیتا ہے (۵۹/۹) تب جا کے اس کے دل سے وہ روگ نکلتا ہے جو اسے تمام خیر اپنی طرف سمیٹنے اور یوں دوسروں کو محروم کر دینے پہ آمادہ کرتا رہتا ہے۔ (۹۲/۱۸)

تغیّرِ اقدار:

اس شخصی تبدیلی اور اجتماعی نظام کے بعد معاشرتی قدروں میں یکسر تبدیلی آ جاتی ہے پہلے دنیا دی دولت، جاہ و حشمت معیارِ تکریم ہوتا تھا، اب وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (۱۷/۷۰) انسان محض آدم کی اولاد ہونے کی جہت سے باعثِ عزت ہوتا ہے سوسائٹی میں زیادہ تکریم صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جو بہتر اعمال کرتے اور زیادہ خدمتِ خلق میں حصہ لیتے ہیں۔ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (۴۶/۱۹)

سب سے زیادہ قابلِ تکریم وہ شخص ہوتا ہے جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی

کی نگہداشت کرنے والا ہوتا ہے۔
اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (۴۹/۱۳)

آج کا پاکستان اور قرآن مجید:

جیسا کہ سطورِ بالا میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی بھی خطہ کی معاشی مشکلات کا قرآنی حل اس کے دیئے ہوئے معاشرتی انقلاب کے بغیر صحیح نتائج نہیں برآمد کرتا۔ اسی طرح پاکستان میں بھی جب تک آج کے "معاشی بخیل انسان" کو ایمان کی راہ نہ سمجھائی جائے اور اس کے سینہ سے شحِ نفس دُور نہ کیا جائے قرآنی احکام کا نفاذ پورے نتائج پیدا نہیں کرے گا۔ قرآن کریم تو تغیرِ نفس کے بغیر تغیرِ حالات کا قائل نہیں۔ آج کے حالات میں تربیتِ نفس کے پروگراموں کے ساتھ ساتھ وہ اقدامات کرنے چاہئیں جو اسلام اجتماعیت کے تکمیلی دور میں کرنا چاہتا ہے۔
مثلاً وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَهُ الدِّیۡنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ تَتَّقُوۡنَ ۝ مَا بِکُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ ...... (۱۶/۵۲-۵۳)

۱۔ تمام سرمایہ خدا کا: (ترجمہ)

"اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور فرمانبرداری اسی کی لازم ہے تو کیا تم اس کے سوائے کسی اور کا تقویٰ اختیار کرو گے۔ اور جو کوئی نعمت تمہارے پاس ہے سو اللہ کی طرف سے ہے"۔

اس اقدام سے زمین اور زمین پر کی ہر نعمت جو بطور سرمایہ استعمال ہوسکتی ہے من جملہ خزائن، ملت کی مشترکہ تحویل میں آجائے گی۔ وہ رقوم جو منتشر حالت میں کسی کارآمد کام میں صرف نہیں ہوتیں، منصوبہ بندی کے تحت ترقیاتی کاموں میں لگ سکتی ہیں۔ ہمیں اپنے پورے وسائل کو بروئے کار لانے کا موقع ملے گا اور غیروں کی دریوزہ گری سے نجات ملے گی۔

۲۔ سرمایہ داری (ربوٰا) کا خاتمہ:

سرمایہ داری، محض سرمایہ کے بدلے معاوضہ حاصل کرنا، ہے خواہ اس کی شکل مروجہ سود کی ہو، بنک کا انٹرسٹ ہو، مضاربت ہو یا مزارعت۔ اس سے وہ استحصالی نظام ختم ہو جائے گا جس کے ذریعے غیر ملکی اور خصوصاً یہودی فرمیں ملک کے عوام کو لوٹ رہی ہیں (۲/۲۷۵-۷۹، ۳۰/۳۹)

۳۔ تعاونی نظام کا آغاز: قرآن کریم نے کہا ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (۵/۲)

"بھلائی اور تقویٰ کے کاموں پر باہمی تعاون کرو" ملک میں ضرورت کے کارخانوں اور بڑے بڑے منصوبوں کے لئے عوامی تعاون سے مشترکہ انتظام کیا جائے۔

۴۔ مستقبل کیلئے پلاننگ:

قرآن کا حکم ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (۵۹/۱۸)

ہر جان پر یہ لازم ہے کہ وہ دیکھے کہ اس نے اپنے مستقبل کے لئے کیا سامان کیا ہے۔ کوئی کام۔ چھوٹا بڑا منصوبہ بغیر پلاننگ کے نہ بنایا جائے اور اسے تعمیرِ مستقبل کے عظیم تر منصوبہ سے منسلک کیا جائے۔

۵۔ تلاشِ رزق:

سورہ جمعہ میں ہے کہ

اِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (۶۲/۱۰)

"جب صلوٰۃ ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو"۔ نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی روزی کے مواقع تلاش کر کے ملک کے لئے زرِمبادلہ کمایا جائے اور اس طرح حالیہ تجارتی خسارہ کو پورا کیا جائے۔

۶۔ علم (سائنس اور ٹیکنالوجی):

علم (سائنس اور ٹیکنالوجی) کو فروغ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں (۳۹/۹) اور یہ کہ اسی علم کو فروغ دیا جائے جس کی شہادت سمع و بصر و قلب دیں۔ یہ سب سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم ہیں۔ (۱۷/۳۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ..... (۵۸/۱۱) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بلند مقامات دے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور وہ جنہیں علم دیا گیا۔ یہ کچھ کیجئے اور پھر دیکھئے کہ

مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ (۶۵/۲-۳)

اور جو کوئی اللہ کے قانون کی ہم آہنگی اختیار کرتا ہے تو وہ، اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے..... اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔ (تسنیم کوثر متعلمہ سال پنجم رولنمبر ۱۶۔ ۸۵ گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور)

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ

کسی صاحب فہم وبصیرت نے کیا سچی اور صحیح بات کہی ہے ان الفاظ میں کہ "خدا کے بندو ! تمہاری یہ غفلت کتنی افسوسناک ہے۔ اور تمہاری یہ گمراہی کسقدر ماتم انگیز کہ تم لیلۃ القدر کو تلاش کرتے ہو کہ وہ رمضان کی کون سی رات تھی مگر تم اُسے تلاش نہیں کرتے جو لیلۃ القدر میں آیا اور جس کے آنے سے اس رات کو یہ رتبہ اور یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ اگر تم قرآن کریم کو اپنا لو تو پھر تمہارے لئے ہر رات لیلۃ القدر ہو جائے"۔ سبحان اللہ۔ اس سے بہتر اور حسین وضاحت لیلۃ القدر کی اور کیا ہو گی کہ جو عقل وبصیرت کو اپیل کرتی ہوئی سیدھی دل میں جاگزیں ہوئی جا رہی ہے۔

بہر حال ہمارے ہاں لیلۃ القدر کے متعلق عام طور پر یہ تصوّر پایا جاتا ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی راتوں میں یہ ایک نہایت عظمتوں اور برکتوں والی مخصوص رات ہے۔ اور جسے یہ رات نصیب ہوتی ہے اس پر خدا تعالیٰ کی بے کراں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اور خدا کے نیک وپارسا بندے اس رات زیادہ سے زیادہ عبادت کرتے اور ثواب دارین حاصل کرتے ہیں۔ قطع نظر اس تصوّر کی تردید یا تائید کے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس عظیم رات کے بارے میں خود قرآنِ حکیم ہمیں کیا راہنمائی دیتا ہے۔ کیونکہ دینِ اسلام کو ضابطۂ حیات ماننے والوں پر یہ لازم آتا ہے کہ ان کے تمام عقائد وتصورات قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق ہوں اور ان میں انسانی جذبات وخیالات کی آمیزش نہ ہو۔ کتاب حیات، کلام اللہ میں سورہ قدر کی آیاتِ بینات لیلۃ القدر کی وضاحت کرتی ہیں۔ ارشاد ربّانی ہے:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ فرمایا یہ گیا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو اس وقت جب کہ ساری دنیا وحی کی روشنی سے محروم ہو کر تیرہ وتار ہو چکی تھی نئی اقدار اور نئے پیمانے دے کر نازل کیا۔ لہٰذا جس رات میں اس کے نزول کا آغاز ہوا وہ ایک جہان نو کی نمود کی رات تھی۔ تجھے خدا سے بڑھ کر اور کون بتا سکتا ہے۔ یہ نئی اقدار اور نئے پیمانوں کی شب جس میں قرآن نازل ہوا ہے کسقدر باعظمت ہے۔ یہ ایک رات اس زمانے کے ہزار ہا مہینوں سے بہتر اور افضل ہے جس میں دنیا وحی کی روشنی سے محروم تھی۔ یہ رات

درحقیقت نقیب اور طائر پیش رس ہے اس دور کی جو نزولِ قرآن کے بعد آنے والا ہے۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہوگی کہ رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ بتدریج قانون خداوندی کے مطابق کائناتی قوتیں (فطرت کی قوتیں) اور وحیٔ خداوندی ہم آہنگ ہوتی چلی جائے گی۔ انسان فطرت کی قوتوں کو مسخر کرتا جائے گا اور رفتہ رفتہ ان کا استعمال وحیٔ خداوندی کی روشنی میں انسانیت کی ربوبیت عامہ کے لئے ہونے لگے گا اور اس طرح فساد انگیزیوں اور خون ریزیوں کی جگہ زندگی کے ہر گوشے میں امن و سلامتی کی فضا عام ہوتی جائے گی۔ یوں دنیا سے ہر قسم کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور آخر الامر زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔" (بحوالہ مفہوم القرآن) ان آیاتِ بینات سے ظاہر ہے کہ اس رات کی عظمت و خصوصیت پوری نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے قرآن کریم کا ملنا ہے۔ جو ارتقائے انسانیت کے لئے نئی اقدار اور نئے پیمانے لے کر آیا جسے بنی نوع انسان کا منشورِ حیات قرار دیا گیا۔ اس لئے مقصود بالذات رات نہیں، وہ ضابطۂ حیات ہے جو اللہ کے بندوں کے لئے روشنی بن کر نازل ہوا ہے، جو دنیائے انسانیت کے لئے امن و سلامتی کا پیغام لایا ہے۔ قرآن کریم میں لیلۃ القدر کے لئے لیلۃ مبارکۃ بھی آیا ہے سورہ الدخان کی ابتدائی آیات میں بتایا گیا ہے کہ خدائے حمید و مجید کے فرمان کے مطابق یہ کتاب مبین یہ واضح ضابطۂ حیات اپنی صداقت پر آپ شاہد ہے۔ اس کا آغازِ نزول ایک ایسی رات میں ہوا جو ساری دنیا کے لئے صد ہزار برکات و سعادت کا موجب بن گئی (اس لئے) کہ اس میں دنیا کو حق و باطل کے پیمانے مل گئے۔ اسی کے تعلق سے سورہ ابراہیم میں خدائے علیم و رحیم کا ارشاد ہے "کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ" یعنی یہ ضابطہ قوانین ہم نے تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تو اس کے ذریعے نوع انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔ لیلۃ القدر کو یہ فضیلت ملی کہ قرآن یعنی حق کی روشنی سے باطل کے اندھیروں کو دور کر دیا گیا۔ باطل کے اندھیروں میں گھر کر انسان حقیقی و خیالی ہر طرح کے خوف و خطر میں جکڑا رہتا ہے۔ کتابِ مبین نے اس تاریک دور کے سارے خطرے امن و سلامتی میں بدل دیئے۔ قرآن کریم کا نزول ظلمت کی سیاہیاں نابود کرنے کے لئے تھا۔ اسی کے آغاز کے لئے مشیتِ خداوندی نے اس رات کو منتخب کیا اور چاروں طرف نور پھیل گیا۔ سورہ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو جگمگاتا ہوا نور بنا دیا ہے۔ جس سے ہم اپنے بندوں کو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق زندگی کا صحیح راستہ دکھاتے ہیں اور وہ قانونِ مشیت یہ ہے کہ جو شخص عقل و فکر سے کام لے کر اس کی طرف رجوع کرے وہ اس سے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

ربّ العالمین نے قرآنِ حکیم کو نور کہا ہے جو چاروں طرف پھیلا ہے اور قیامت تک محیط ہے یہ اس لئے ہے کہ ہر موجود و آنے والا انسان فہم و شعور سے کام لے کر اس سے روشنی حاصل کرے اور اس روشنی میں زندگی کی منزل طے کرتا چلا جائے۔

لیلۃ القدر میں نازل ہونے والا یہ ضابطۂ حیاتِ انسانی قرآنِ پاک خود اپنے فرمان کے مطابق

تمام نوع انسانی کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ایسی راہ بتاتا ہے جو واضح اور ابھری ہوئی ہے اور جو مستقل اقدار کے پیمانے پیش کرتا ہے تاکہ حق و باطل الگ الگ ہو جائیں۔ ان میں تمیز کی جا سکے سورہ القدر کے مفہوم کو سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ فرمانِ خداوندی کے مطابق لیلۃ القدر کی فضیلت و عظمت سے مراد کیا ہے۔ بلاشک و شبہ لیلۃ القدر کی فضیلتوں کا شمار نہیں ہو سکتا بشرطیکہ ہم بندگانِ خدا ان مستقل اور ابدی اقدار کو اپنی زندگی کا نصب العین اور اپنے اعمال کا حصہ بنا لیں جن کی حامل رب العزت کی آخری مکمل غیر متبدل موجود و محفوظ کتاب قرآنِ حکیم ہے۔

ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرے میں آنے والی برکتوں اور رحمتوں والی لیلۃ القدر کا مقصود صرف اس رات کی عبادت تک محدود نہیں۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں شبِ قدر کے بارے میں قرآنِ عزیز سے ہٹ کر طرح طرح کی روایات بیان ہوئی ہیں جن میں سے ایک تصوراتی "روشنی" کا بھی ذکر ہے جسے اس رات کے ساتھ مختص کیا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جو بندہ خدا لیلۃ القدر میں رات بھر عبادت کرے گا اور پلک نہیں جھپکے گا اُسے وہ روشنی نظر آئے گا اور منوّر کریگی اور وہ حقیقی روشنی جو ہر مسلمان گھرانے میں قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے اس کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی وہ اللہ کی کتاب تو لبس الفاظ دہرانے یعنی ثواب حاصل کرنے کے لئے ہے۔

کاش ہم تلاوتِ قرآن کرنے والوں نے "تلاوت" کا مفہوم (پیچھے پیچھے چلنا یعنی احکامِ خداوندی کی پیروی کرنا۔ قوانینِ خداوندی کا پابند رہنا) سمجھا ہوتا تو ہم ایسی بیش بہا نعمت کے حامل ہو کر اس سے یوں محروم نہ ہو جاتے۔ حق تو یہ ہے کہ لیلۃ القدر ہر سال اُمّتِ مسلمہ کو یہ یاد دلانے آتی ہے کہ وہ ربِ ذوالجلال کے عطا کردہ ضابطۂ حیات۔ نظامِ زندگی قرآن کو عملی طور پر اپنانے میں کہاں تک پہنچی ہے اور اسے کیا سرفرازی حاصل ہوئی کہ جس مقصدِ عظیم کے لئے اس کی تخلیق ہوئی!

راقمہ (ثریا عندلیب)

خریدار صاحبان متوجہ ہوں

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ (۱) بسا اوقات ادارہ ہذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں ان کے کوپنز (COUPONS) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلاوجہ تاخیر نہ ہو (۲) پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا (۳) جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ ارسال کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

نقد و نظر

نام کتاب = قرآن خود پڑھیے۔
مصنف = پروفیسر رفیع اللہ شہاب
ضخامت = ۴۸ صفحات
قیمت = درج نہیں
ناشر = انڈس پبلشنگ ہاؤس، ۱۷۔ اردو بازار لاہور

قرآن مجید پڑھنا، اور اسے سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس مقدس کتاب کو پڑھنا سکھانے کے لئے، بے شمار قاعدے ترتیب دیئے جا چکے ہیں۔ جو کہ ایک قابلِ تحسین بات ہے۔ لیکن اگر نتائج کو دیکھا جائے تو مایوسی ہوتی ہے اور ہماری آبادی کا ایک کثیر حصّہ، جس میں اچھے بھلے تعلیم یافتہ لوگ شامل ہیں، قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے۔ بچپن میں وہ کسی وجہ سے اس سعادت سے محروم رہے اور بڑی عمر میں، کسی استاد سے سیکھنے میں وہ شرم محسوس کرتے ہیں۔ حیرت ہے کہ ہماری آبادی کے اس طبقے کے اس اہم مسئلہ کا کسی اہلِ علم نے خیال نہیں کیا۔ طلوع اسلام کے کئی قارئین نے اس بارے میں اپنی مشکل کا ذکر پرویزؒ صاحب سے کیا تو انہوں نے پروفیسر رفیع شہاب کو اس مقصد کے لئے ایک کتابچہ تیار کرنے کے لئے کہا کہ جس کی مدد سے پڑھے لکھے لوگ، خود قرآن مجید پڑھنے کے قابل ہو سکیں۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور عربی زبان کو پڑھنے اور اس کے الفاظ کا صحیح تلفّظ ادا کرنے کیلئے عربی حروفِ تہجی اور زبر ـَ زیر ـِ اور پیش ـُ کی آوازوں کی خاص اہمیّت ہے۔ اس کتابچے میں کوشش کی گئی ہے کہ ان آوازوں کو واضح کیا جائے۔ پھر اس وضاحت کو اجاگر کرنے کے لئے "قرآن خود پڑھیے" کو دو رنگوں میں شائع کیا گیا ہے تاکہ ایک عام معمولی لکھا پڑھا انسان، چاہے وہ بچہ ہو یا جوان قرآن مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ سکے۔ امید ہے کہ یہ کتابچہ بہت سے ایسے لکھے پڑھے لوگوں کو قرآن مجید پڑھنے میں مدد دیگا۔ اگر بچپن میں کسی وجہ سے وہ قرآن مجید پڑھنے کی سعادت سے محروم ہو گئے تھے تو وہ اب اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔ ہمارے بچے قرآن مجید پڑھنے کے مروجہ قاعدے بالکل نہیں سمجھ سکتے وہ یہ کتابچہ آسانی سے سمجھ سکیں گے اور تھوڑی ہی مدت میں قرآن مجید پڑھنا سیکھ لیں گے۔

مطالبُ الفرقان جلد ششم

اس میں سورۃ الاعراف کی آیات (۱۵۹ تا ۲۰۶) سورۃ الانفال کی کُل آیات (۱ تا ۷۵) سورۃ توبہ کی کل آیات (۱ تا ۱۲۹) سورۃ یونس کی کل آیات (۱ تا ۱۰۹) اور سورۃ ھود کی کل آیات (۱ تا ۱۲۳) آگئی ہیں، جو بیشتر مشتمل ہیں حضراتِ انبیاء سابقہ کے کوائفِ حیات اور اقوام گذشتہ کے نہایت عبرت خیز واقعات پر، جو احباب سلسلۂ مطالبُ الفرقان کا مطالعہ کر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ تصریفِ آیات کے اصول کے مطابق جس طرح قرآنِ مجید کی تفسیر، ان مجلدات میں پیش کی جا رہی ہیں اس سے قرآنی حقائق کسطرح نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

یہ جلد اعلیٰ درجہ کے سفید کاغذ کے (۴۳۶) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے
کتابت، طباعت، جلد، سابقہ جلدوں کے معیار کے مطابق، عمدہ اور دلکش۔
قیمت فی جلد -/۷۵ روپے
محصول ڈاک - -/۸ روپے

ملنے کا پتہ

۱۔ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ ۲ لاہور
۲۔ مکتبہ دین ودانش۔ چوک اُردو بازار۔ لاہور